سلسلہ کتب تصوف متعلق رسالہ طریقت لاہور ۱۳

وجدانی نشتر

عرف

سوز و گداز

اہل اللہ کیلئے راز و نیاز، سوز و ساز، سکون و اضطراب، حال و قال اور وجد و وصال کا

ایک لازوال روحانی خزانہ

مرتبہ و مؤلفہ

محمد الدین فوق جامع "طریقت" لاہور

محرم الحرام سنہ ۱۳۳۴ مطابق دسمبر سنہ ۱۹۱۵ء

مطبوعہ گلزار محمدی سٹیم پریس لاہور

ایڈیٹر طریقت کی دیگر صوفیانہ تصنیفات

حضرت داتا گنج بخشؒ پنجاب کے سب سے پہلے واعظ الاسلام حضرت علی مخدوم ہجویری عرف داتا گنج بخشؒ کے سبق آموز حالات جن کی ابتدا ۴۰۰ ہجری المقدس سے شروع ہوتی ہے۔ لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ ہے۔ قیمت باوجود ۱۶۸ صفحے کے حجم کے صرف ۱۰ار ۱۰ار

یاد رفتگان اس کتاب میں شہر لاہور کے تمام بزرگان دین اور صوفیائے کرام کا تذکرہ درج ہے ضمناً لاہور کی قدیم و جدید حالت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور مسئلہ سماع و مزامیر پر بھی بحث کی گئی ہے۔ قیمت فی جلد ۱۲ار ۱۲ار

تذکرۃ الصالحین جس میں تقریباً پندرہ سولہ اولیائے عظام کے مفصل و مکمل حالات درج ہیں۔ یہ کتاب اپنی دلآویز طرز تحریر کی وجہ سے خاص طور پر مقبول ہو رہی ہے قیمت ... ۱۰ار

شالامار باغ اس کتاب میں حضرت مادھو لال حسین رہ کی مفصل و مکمل سوانحعمری درج ہے اور لاہور بلکہ ہندوستان کے مشہور تاریخی شالامار کا تاریخی تذکرہ درج ہے قیمت فی جلد ۸ر ۸ر

حالات مولانا روم حضرت مولانا روم جلال الدین رومی کے مبارک نام سے بوجہ ان کی مشہور مثنوی کے کون ناواقف ہے۔ ایسے بزرگ کے صوفیانہ حالات اور سلوک و معرفت کے تذکرہ سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے۔ حضرت مولانا رومؒ اور ان کی اولاد اور ان کی زندگی کے پُر اسرار واقعات دیکھنے کے قابل ہیں قیمت ۱۲ار ۱۲ار

حالات شمس تبریزؒ عوام کہتے ہیں کہ شمس تبریزؒ کی قبر ملتان میں ہے۔ لیکن اس کتاب نے ثابت کر دیا ہے کہ لوگ کس قدر دراز عرصہ سے ایک افسوسناک تاریخی غلطی میں مبتلا چلے آتے ہیں۔ حضرت شمس تبریزؒ اور حضرت مولانا روم ایک ہی زمانہ میں ہوئے ہیں ان کے باہمی راز و نیاز اور صوفیانہ چھیڑ چھاڑ کے حالات کس قدر ولولہ انگیز اور رُوح کی تازگی کا باعث ہیں۔ قیمت ۶ر ... ۶ر

مجدد الف ثانی یعنے محبوب سبحانی حضرت امام ربانی مجدد ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی کے مختصر حالات قیمت ۳ر ۳ر

تذکرہ خواجہ احرار یعنے مختصر سوانحات عمر حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار قیمت ۳ر

تذکرہ خواجہ مشکلکشا مختصر سوانحعمری خواجہ خواجگان سید خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی بخاری قیمت ۳ر

بابا فرید شکر گنج یعنے حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنجشکر چشتی رہ کے حالات زندگی۔ قیمت ۳ر

حالات امیر خسروؒ سر دفتر عشاق طوطی ہند مخزن کمالات صوری و معنوی حضرت ابو الحسن امیر خسرو کے مختصر حالات زندگی قیمت ۳ر ۳ر

المشتہر:۔ مینیجر رسالہ طریقت لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجدانی نشتر عرف سوز و گداز

حصّہ اوّل

تجلّی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ سب کو معلوم ہے۔ اور چونکہ اس کا تعلق قرآن شریف کی ایک آیت سے ہے۔ جس کے سننے سے ان کی حالت یہاں تک متغیر ہو گئی تھی۔ کہ جس کو قتل کرنے آئے تھے۔ اس کے قدموں پر اپنی تلوار رکھ دی تھی۔ اس لئے اس واقعہ کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا جاتا ہے۔ تاریخ اسلام میں حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں۔ جن پر آیات قرآنی سننے سے اس قسم کا اضطراب اور جوش پیدا ہوا تھا۔

جب ابوجہل نے جو حضرت عمرؓ کا ماموں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے لئے سو اونٹ اور چالیس ہزار درہم کا انعام مقرر کیا تو آپ آنحضرتؐ کے قتل پر آمادہ ہو کر گھر سے باہر نکلے۔ راہ میں نعیم بن عبداللہ ملے۔ انہوں نے تیور اچھے نہ دیکھ کر کہا:

"عمر کہاں جاتے ہو؟"

عمر۔ محمدؐ کو قتل کرنے جاتا ہوں۔

نعیم۔ کیا ان کو قتل کر کے خود امن میں رہ سکتے ہو۔

عمر۔ معلوم ہوتا ہے۔ تم بھی بے دین ہو گئے؟

نعیم۔ پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو۔

عمر۔ کیوں کیا ہے؟

نعیم۔ تمہاری بہن فاطمہ اور تمہارے بہنوئی سعید بن زید نے بھی تمہارا دین ترک کر دیا ہے

عمر۔ محمدؐ کے قتل کرنے سے پہلے انہی کا جھگڑا طے کرتا ہوں۔ یہ کہکر آپ غصہ سے بھرے ہوئے اپنی بہن کے گھر آئے۔ وہاں خباب بن الارت انصاری

قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ آپؓ کے آنے کی آہٹ سنکر آپؓ کی بہن نے ان کو چھپا دیا۔ عمرؓ آئے۔ اور پوچھا یہ نرم نرم آواز کیسی تھی۔

فاطمہ۔ کچھ نہیں۔

عمرؓ۔ مَیں نے سنا ہے تم دونوں بے دین ہو گئے ہو

یہ کہکر بہن اور بہنوئی کو سخت مارا۔ یہاں تک کہ خون بہنے لگا۔

فاطمہ۔ عمر۔ جو تیرا جی چاہے کر مَیں تو تیرا دین چھوڑ چکی۔ اور اب اسلام دل سے ہرگز نہیں نکل سکتا۔

عمرؓ۔ اچھا مجھے وہ دکھاؤ۔ جو تم پڑھ رہے تھے۔

فاطمہ۔ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ ؎ یعنے اس کو سوائے پاک لوگوں کے کوئی نہیں چھو سکتا

عمرؓ نے اسی وقت غسل کا سامان کیا۔ بہن نے صحیفہ نکالا۔ اور حضرت عمرؓ نے سورہ طٰہٰ رکوع ۱ شروع کیا۔

مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی ۝ اِلَّا تَذْکِرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی ۝ تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ۝ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ۝ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ۝ وَاِنْ تَجْھَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّہٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی ۝ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی۔ ترجمہ ہم نے قرآن اس لئے نہیں اُتارا کہ تم مشقت اور محرومی میں پڑو۔ بلکہ یہ ایک نصیحت ہے۔ جس سے ڈرنے والوں کو نفع ہے۔ یہ اس ذات پاک نے اُتارا ہے جس نے بنایا زمین اور آسمانوں کو۔ رحمان جو عرش پر مسلط ہُوا اسی کی مِلک ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ اور جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے۔ اور اگرچہ تو قول کو ظاہر کرے۔ مگر وہ چھپی چھپائی باتوں کو بھی جانتا ہے۔ اللہ ہی ہے۔ کوئی معبود اس کے سوا نہیں۔ اور اسمائے حُسنٰی سب اسی کے لئے مخصوص ہیں۔

یہ آیت پڑھتے ہی آپ کے دل میں ایک انقلاب پیدا ہُوا۔ اور کہا کیا قریشی اسی سے بھاگتے ہیں۔ اس سے بھاگ کر کہاں جلیں گے۔ کہاں ہے محمدؐ مجھے لے چلو اس کے پاس کہ میرے زخمی دل پر اطمینان کا پھاہا رکھے۔ وہ عمرؓ جو تلوار سونت کر ان کے قتل کے لئے گھر سے

باہر نکلا ہے۔ اب وہی تلوا اس کے قدموں پر رکھنے کو حاضر ہے۔ حضرت بن الارث انصاری جو حضرت عمرؓ کے خوف سے اندر چھپے ہوئے تھے۔ یہ الفاظ سن کر باہر نکلے۔ اور ان کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں گئے۔ جہاں آپ اسلام پر ایمان لا کر اس دین حقہ کی اشاعت و مزید تقویت کا باعث ہوئے۔[۱]

حرم بن حیان ایک مرتبہ حضرت اویس قرنیؒ[۲] کو ملے اور کہا۔

حرم بن حیان۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی روایت تو بیان کرو۔ کہ روح کی خوشی کا باعث ہو۔

اویس قرنیؒ۔ میں نے ان کو دیکھا نہیں۔ روایت کیا کہہ سکتا ہوں۔ البتہ حدیثیں سنی ہیں۔

حرم بن حیان۔ کوئی حدیث ہی کہو۔

اویس قرنیؒ۔ میں محدث اور مفتی نہیں بننا چاہتا۔ مجھ کو خود ایک شغلہ حاصل ہے۔ جو مجھے اس طرف آنے کی فرصت ہی نہیں دیتا۔

حرم بن حیان۔ کوئی آیت ہی بیان کرو۔

حضرت اویس قرنی رحنے یہ آیت پڑھی۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ وَمَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ یہاں تک کہ ھو العزیز الرحیم تک پڑھا۔ اور جب آخری الفاظ تک پہنچے۔ تو آنکھوں سے آنسو گر پڑے اور ایک بلند نعرہ لگایا۔ حرم بن حیان کہتے ہیں۔ اس وقت حضرت اویس قرنیؒ کی حالت دیوانوں کی سی معلوم ہوتی تھی۔

حضرت امام ابو حنیفہ بڑے رقیق القلب تھے۔ اکثر نمازمیں اور قرآن شریف کے

۱۔ حضرت عمر فاروق اعظم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے خلیفہ تھے۔ تریسٹھ سال کی عمر میں محرم الحرام بروز شنبہ ۲۴ھ کو انتقال فرما گئے۔ آپ نے قریباً ساڑھے دس سال تک خلافت کی ہے۔

۲۔ حضرت اویس قرنی۔ یمن کے رہنے والے اور آنحضرت صلعم کے نادیدہ عاشق تھے۔ آنحضرتؐ اپنا منہ یمن کی طرف کر کے فرمایا کرتے تھے ہر یمن کی طرف سے رحمت کی نسیم پاتا ہوں۔ حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ سے آپ نے ملاقات کی ہے۔ بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ساتھ لڑائیوں میں بھی شامل ہوتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ شہادت کا مرتبہ حاصل کر لیا۔

پڑھتے وقت آپ پر رقت طاری ہو جایا کرتی تھی - اور گھنٹوں تک اسی اشک ریزی کے عالم میں رہا کرتے تھے - ابراہیم بصری کہتے ہیں کہ ایک بار امام نعمانؒ نے نماز صبح میں یہ آیت پڑھی :- وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ " یعنی ہرگز نہ سمجھو کہ اللہ تعالےٰ ظالموں کے اعمال و کردار سے بے خبر ہے " (سورۃ ابراہیم رکوع ۷) یہ سنکر آپ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ کانپتے تھے اور آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے[1] -

ایک شخص آپ کے پاس ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے آیا - آپ اس وقت قرآن شریف پڑھ رہے تھے - جب اس آیت پر پہنچے :- " وَوَقٰنا عذاب السموم " (سورہ طور رکوع ۲) ترجمہ :- بچا سموم کے عذاب سے - تو اس آیت کی تکرار کرنے لگے - یہاں تک کہ جھومتے جاتے تھے - آواز بدل گئی تھی - اور آپ اس کا تکرار بند نہیں کرتے تھے - آخر نماز کا وقت جب قریب آیا - تو آپ نے اس آیت کا تکرار بند کیا -

ایک مرتبہ نماز میں یہ آیت پڑھی :- بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ (سورہ قمر رکوع ۳) یعنی قیامت گنہگاروں کی وعدہ گاہ ہے - اور قیامت سخت مصیبت اور ناگوار چیز ہے - آپ اسی آیت کو رات بھر پڑھتے رہے - اور زار زار روتے رہے -

یزید بن کمیت کہتے ہیں میں ایک بار آپ (حضرت امام ابوحنیفہ) کے ساتھ نماز عشا میں شریک ہوئے امام نماز نے سورہ زلزال پڑھی - سب لوگ نماز پڑھکر چلے گئے - میں نے آپ کو دیکھا - ٹھنڈی سانسیں لے رہے ہیں - یہ دیکھ کر میں بھی چلا گیا - صبح کو جب مسجد میں آیا تو دیکھا - آپ سورۂ زلزال کا ورد کر رہے ہیں - آنکھوں سے آنسو جاری ہیں - اور بڑے درد سے کہہ رہے ہیں - اے ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر بدی کا بدلہ دینے والے اپنے بندہ نعمان کو (نعمان آپ کا اصل نام تھا) دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھنا -

حضرت مولانا شاہ درگاہی[2] کی گرمی اور رقیق القلبی کی کیفیت تذکرۃ السالکین سے

---

[1] تذکرۃ السالکین صفحہ ۲۵۳

[2] نام آپ کا فیض بخش لقب شاہ درگاہی و محبوب الٰہی تھا آپ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی اولاد سے ہیں - وطن آپ کا بقول بعض تخت ہزارہ اور بقول بعض بہلول پور ہے سنہ ۱۱۶۲ھ آپ کی پیدائش ہے - تاریخ وفات ۱۲۲۶ھ ہے - مزار آپ کا ریاست رام پور میں ہے -

معلوم ہو سکتی ہے۔ ایک بار امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے امام نے آیہ کریمہ
یحبونہم کحب اللہ والذین آمنوا اشد حبا للہ جس طرح مسلمان خدا سے محبت رکھتے ہیں یہ
(مشرک) ان بتوں سے محبت رکھتے ہیں بلکہ ایمان والوں کو خدا کی محبت زیادہ ہوتی ہے) آپ اس آیت کے سنتے ہی جوش میں آگئے جسم
مبارک کو حرکت ہوئی۔ نماز کے بعد آپ کے ساتھ امام اور مقتدی غلبہ وجد و وصال
سے مدہوش و بے حال ہو گئے۔ اور مسجد میں ہائے ہو کا ایک شور عظیم برپا ہوا۔ خدا
کی قدرت سے جتنے لوگ مسجد میں آتے تھے۔ سب پر یہی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

ابو عبداللہ مہدی باوردی[1] جو پہلے طبقہ کے بزرگوں کے سرگروہ ہیں۔ ایک دن
اپنی دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک اندھا ان کے سامنے سے یہ آیت پڑھتا ہوا گذرا
الملک یومئذ الحق للرحمن (اس دن کی بادشاہی رحمن کے لئے ہو گی) ابو عبداللہ
کے کانوں تک جب یہ خدائی الفاظ پہنچے تو لوہا جو ان کے ہاتھ میں تھا ہاتھ سے گر گیا۔
اور بے خود ہو کر گرم لوہے کو ہاتھ میں اٹھا لیا۔ شاگرد پاس ہی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ یہ
کیفیت دیکھ کر کہ گرم لوہے کے اٹھانے سے انہوں نے کوئی تکلیف محسوس نہیں
کی ششدر رہ گیا۔ آپ نے پوچھا کام کیوں نہیں کرتے۔ اور یہ حیرانی کیسی ہے۔ اس
نے کہا۔ آپ کے ہاتھ میں تپا ہوا لوہا ہے۔ اور آپ کو درد محسوس نہیں ہوتا۔ آپ نے
دیکھا تو کہا۔ اب تو بھید ظاہر ہو گیا۔ یہ کہکر اٹھ کھڑے ہوئے اور دوکان کو چھوڑ دیا۔

ابوبکر موازینی مصری بیان کرتے ہیں کہ عید الضحےٰ کے دن میں نے ایک درویش
کو دیکھا جس کے ہاتھ میں کوزہ یا چھاگل تھی۔ وہ کہتا تھا یا سیدی تقرب الناس الیک
بذبائحھم وقربانا تھم ولست املک الا نفسی فشھق شھقۃ ومات یعنی
اے میرے سردار لوگ تیری طرف اپنے ذبیحوں اور قربانیوں کے ساتھ نزدیکی اور
قربت کی تلاش کرتے ہیں۔ اور میرے پاس صرف اپنا وجود یعنی اپنی جان ہی ہے

---

[1] آپ آہن گری کا کام کرتے تھے۔ ابو حفص حداد نیشاپوری کے پیر و مرشد اور استاد تھے۔ جن کا
انتقال ۲۶۴ھ سے ۲۶۷ھ کے درمیان بیان کیا جاتا ہے۔ نفحات الانس تذکرۃ الاولیا میں شیخ فریدالدین
عطار نے یہ واقعہ ابو حفص حداد سے منسوب کیا ہے

یہاں تک کہ انہی الفاظ کی تکرار میں ایک پُرسوز چیخ مار کر اپنی جان جان آفرین کو سونپ دی۔
حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ شیخ ابو العباس[1] شقانی قدس سرہ کی خدمت میں گیا۔ دیکھا تو وہ رو رہے تھے۔ اور یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ یعنے مثال دی خدا تعالیٰ نے ایک بندہ کی جو مملوک یعنی کسی اور کی ملکیت ہے۔ اور کسی شے پہ قدرت اور قابو نہیں رکھتا۔ حضرت داتا گنج بخش شیخ علی ہجویری ثم اللاہوری مصنف کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ اس آیت کے پڑھنے سے ان کا جو حال ہوتا تھا۔ اور جس شدت سے وہ نعرے مارتے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ وہ ضرور فوت ہو جائینگے۔ آخر میں نے بیتاب ہو کر کہا۔ یا شیخ یہ کیا حال ہے۔ فرمایا گیارہ سال ہو چکے ہیں۔ یہ آیت میرا وظیفہ ہے۔ پڑھتا ہوں۔ اور اپنی بے بسی بیکسی پر روتا ہوں شیخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی دہلوی علوم دینی کی تحصیل و تکمیل کے بعد رات کو دہلی کی جامع مسجد میں رہتے تھے۔ صبح کے وقت مؤذن نے منارہ پر چڑھ کر ایک دن یہ آیت پڑھی۔ اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ” یعنے کیا ایمانداروں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کا دل اللہ کے ذکر سے گڑگڑائیں اور خائف ہو جائے“۔ جب یہ آیت آپ نے سُنی تو قلب پر ایک چوٹ لگی چہرے پر ایک نمایاں تغیر ہوا۔ اور ایسا معلوم ہوا کہ چاروں طرف سے انوار برسنے شروع ہو گئے ہیں۔ اسی بیقراری کے عالم میں بغیر سفر خرچ کے حضرت فرید الدین گنجشکرؒ کے حضور میں گئے۔ اُن سے تپ دروں کی دوا طلب کی۔ اور مرتبہ کمال تک پہنچے
شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی جو غوث الاعظم کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ چھوٹی عمر ہی میں ایک گائے کو چرانے کے لئے ایک کھیت میں لے گئے۔ گائے نے کہا۔ عبد القادرُ مَا لِهٰذَا خُلِقْتَ وَلَا بِهٰذَا اُمِرْتَ یعنے اے عبد القادر تم اس لئے

---

[1] شیخ ابو العباس کا اصل نام محمد بن احمد ہے۔ بڑے بزرگ تھے حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں۔ مجھ کو ان سے بہت محبت تھی۔ اور وہ بھی مجھ پر شفقت فرماتے تھے۔ اور بعض علوم میں میرے استاد تھے (نفحات الانس)

نہیں پیدا کئے گئے۔ اور نہ اس کا تم کو حکم ہوا ہے۔ فرماتے ہیں۔ گائے کی زبان سے یہ الفاظ سنکر میری حالت متغیر ہو گئی۔ بلکہ میں خوف زدہ ہو گیا۔ اور گھر آکر اور والدہ سے اجازت لیکر بغداد میں تحصیل علوم کے لئے چلا گیا۔

خواجہ قطب الدین یحییٰ جامی نیشاپوری[1] فرماتے ہیں۔ ایک دن خدائی جذبوں کے کمند کو اپنے دل کی گردن میں ڈال کر جنگل میں نکل گیا۔ اُسی حالت میں یہ آیت سنائی دی "واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالاً" یعنے پکار دے لوگوں کو حج کیلئے تیرے پاس آئیں فرماتے ہیں۔ اس آیت کا اشارہ ہونا تھا۔ کہ تعلقات کی رہی سہی زنجیریں بھی ٹوٹ گئیں۔ اور میں بغیر کسی تیاری کے پاپیادہ ہی بیت اللہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

حضرت فضیل بن عیاض جو ابتدا میں چور اور ڈاکو تھے۔ ایک دفعہ اپنے خیمہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک قافلہ ان کے پاس سے گذرا جس میں ایک قاری صاحب اونٹ پر بیٹھے ہوئے نہایت خوش الحانی سے یہ آیت پڑھ رہے تھے "الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ۔ یعنے کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد کے لئے گڑگڑائیں اور اُس کے دربار میں حاضر ہوں۔ یہ سنکر آپ پر ایک عجب کیفیت طاری ہوئی۔ نعرہ مار کر کہا۔ فضیل! عمر عزیز کب تک لوٹ مار میں ضائع کرتا رہے گا۔ یہ کہکر ندامت۔ بیقراری اور پریشانی کے عالم میں کسی ویرانہ کی طرف نکل گئے

حضرت بایزید بسطامی جو عارفوں کے سلطان گذرے ہیں۔ ایک دفعہ ایک جامع مسجد میں گئے۔ خطیب نے ممبر پر یہ آیت پڑھی۔ "ما قدروا اللہ حق قدرہ"۔ آپ سنتے ہی وجد میں آگئے۔ اور ممبر پر دیر تک ہاتھ مارتے رہے۔ اور آخر بیہوش ہو کر گر پڑے۔

شیخ منصور معارؒ ایک مرتبہ بہت رات گذرنے کے بعد اپنے مکان سے باہر نکلے۔ تھوڑی دور جانے کے بعد ایک مکان سے ایک مناجات کی آواز سُنی۔ جس کے

---

[1] پیدائش نیشاپور کی اور وطن جام ہے۔ شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ۔ شیخ صدر الدین اردبیلی کی صحبت میں رہے ہیں۔ سات دفعہ حج کیا ہے۔ وفات آپ کی ۱۲ جمادی الآخر ۷۴۰ھ کو ہوئی آپ کی قبر ہرات میں ہے۔ (نفحات الانس)

الفاظ یہ تھے۔ خداوندا اگر تو میری دستگیری نہ کریگا۔ تو اور کون کریگا۔ اگر تو معاف نہ کریگا تو اور کون کرے گا۔ مَیں اپنے گناہوں کا بوجھ کہاں جاکر پھینکوں۔ شیخ منصور فرماتے ہیں۔ یہ مناجات سن کر میں نے ایک نعرہ مارا اور یہ آیت پڑھی

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یاایھاالذین اٰمنوا قوا انفسکم واھلیکم ناراً وقودھا الناس والحجارۃ الاٰیۃ ترجمہ

اے ایمان والو تم اپنی جانوں کو اور اپنے عزیزوں کو آگ سے بچاؤ۔ جس کے ایندھن آدمی ہیں اور پتھر۔

دن نکلنے پر آپ پھر اُسی مکان پر گئے۔ دیکھا تو ایک شور اور ماتم بپا ہے پوچھا کیا ہُوا کہا رات کو ایک شخص نے اس مکان کے پاس آکر آیت پڑھی۔ صاحب خانہ کا لڑکا جو نہایت صالح اور عاشق قرآن مجید تھا۔ اس کے سننے سے بے چین ہوگیا۔ دیر تک تڑپتا رہا۔ آخر ایک نعرہ مارا اور جان بحق تسلیم ہوگیا۔ یہ سنکر آپ نے فرمایا وہ آیت پڑھنے والا مَیں ہی ہوں۔

حضرت ابوبکر وراقؒ کا جن کو صاحب تذکرۃ الاولیاء نے مؤدب الاولیا لکھا ہے۔ ایک لڑکا مکتب میں جایا کرتا تھا۔ ایک دن جب وہ مکتب سے واپس آیا۔ تو آپ نے دیکھا کہ اس کا رنگ اڑا ہوا ہے۔ اور رو رہا ہے۔ پوچھا بیٹا! یہ کیا حالت ہے۔ کہا کیا عرض کروں۔ آج اُستاد نے ایک ایسی آیت پڑھائی ہے کہ اس کے سننے اور پڑھنے سے بے حال ہوگیا ہوں۔ دل سہما جاتا ہے۔ اور اشک تھمنے میں نہیں آتے۔ پوچھا وہ آیت کونسی ہے کہا یوم یجعل الولدان شیبا۔ اس دن کہ جو بچوں کو بوڑھا بنادیگا۔ آخر کار وہ لڑکا بیمار ہو کر چند ہی دنوں میں راہی عدم ہو گیا۔ حضرت ابوبکر وراق اس کی قبر پر جایا کرتے اور کہا کرتے تھے۔ اے ابوبکر تیرا فرزند ایک ہی آیت کے سننے کی تاب نہ لاکر خدا کی راہ پر قربان ہوگیا ہے۔ اور تجھے قرآن پڑھتے اتنے سال ہوگئے۔ لیکن تجھ پر کوئی اثر نہ ہوا

مسلمانوں میں حضرت ذوالنونؒ مصریؒ کی خبر معمولی شہرت ہے۔ شباب کے زمانہ میں جب

کسی عرب کی ملازمت کرلی تو بزم عیش آراستہ رہنے لگی۔ اور تسلسل کے ساتھ جام کا دور رہتا۔ مؤرخ ابن یونس کہتے ہیں۔ اسی حالت میں انہوں نے ایک صاحب دل کو یہ آیت پڑھتے سنا الم یان للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ[1] یعنی ایمانداروں کے لئے کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل میں ذکر الٰہی سے خشوع و عاجزی پیدا ہو۔ اس آیت کا ان پر ایسا اثر ہوا کہ تمام مناہی سے توبہ کرلی۔ اور پھر کبھی اس طرف متوجہ نہ ہوئے۔ بلکہ ایک جہان کو اپنا گرویدہ کرلیا۔

دربار بغداد سے بھی ذوالنون کو تعلق تھا۔ وزیر اعظم فتح بن خاقان اور خلیفہ زادہ عبداللہ بن معتز ان کی بڑی عزت کرتے۔ اور جب کبھی مجلس میں آجاتے تو خلیفہ متوکل خود ان کی تعظیم کرتے بٹھاتے وعظ سنتے اور روتے ایک مرتبہ لوگوں نے ذوالنون کی بدگوئی کی۔ خلیفہ نے انہیں مصر سے بلوا بھیجا۔ دربار میں آئے۔ تو سر مجلس ان بعض الظن اثم الخ (بعض بدگمانیاں گناہ ہیں) کی تفسیر ایک دلگیر اور پُرسوز پیرایہ میں بیان کرنی شروع کی۔ تو خلیفہ بے اختیار ہو کر رونے لگا۔[2]

خلافت فاروقی میں محاصرہ دمشق کے وقت کچھ اسلامی سپاہ فحل اور بیسان کی طرف روانہ کی گئی تھی۔ یہاں پچاس ہزار عیسائی قلعہ بند تھے۔ امین الامۃ حضرت ابوعبیدہ جب لشکر لے کر فحل میں پہنچے۔ تو عیسائیوں نے نہر کا بند توڑ دیا۔ جس سے تمام میدان میں سیلاب آگیا۔ اور لشکر اسلام کو سخت نقصان پہنچا۔ ایک شب عیسائیوں نے مسلمانوں پر شبخون مارا۔ لیکن وہ غافل نہیں تھے۔ حضرت سیف اللہ خالد بن ولید نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ لیکن اسی اثنا میں عیسائیوں کا ایک اور لشکر للکارتا ہوا لشکر اسلام پر آیا۔ حضرت سیف اللہ خالد بن ولید نے اپنی قلیل اور دشمن کی کثیر جمعیت

---

[1] تذکرۃ الاولیا مولانا فرید الدین عطار میں فضیل بن عیاض کی توبہ کے متعلق بھی یہی آیت لکھی ہے۔ ذوالنون مصری کی توبہ کی روایت الندوہ کے ایک مضمون ذوالنون مصری مرقومہ مولانا عبداللہ عمادی سے نقل کی گئی ہے۔

[2] تاریخ ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۱۱ از الندوہ۔

دیکھ کر اپنے لشکر کو پرجوش لہجہ میں یہ آیت پڑھکر سنائی - یاایھا الذین امنوا اذا لقیتم فیئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون ٥ واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین ٥

ترجمہ - اے ایمان والو جب تم (کافروں کی) کسی فوج سے ملو تو ثابت قدم رہو - اور اللہ پاک کو بہت یاد کیا کرو - تم ضرور فلاح پاؤ گے - خدا اور خدا کے رسول کی اطاعت کرو - اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو - تم نامرد ہو جاؤ گے - اور تمہاری وبندھی ہوئی ہوا جاتی رہیگی - اور صبر کرو - تحقیق اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے -

رومی فوجوں کے حملے بڑے سخت تھے - ان کی تعداد بہت زیادہ تھی - لیکن حضرت سیف اللہ کا اس آیت کو تلاوت کرنا جادو کا کام کر گیا - اسلامی لشکر اِنَّ اللہ مع الصابرین کے نعرے لگاتا ہوا دشمن پر ٹوٹ پڑا - یہاں تک کہ رومی لشکر بہت سی جانیں چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا -

لیکن ابھی اس بات کو بہت تھوڑا عرصہ گذرا تھا - کہ رومیوں کا دوسرا سپہ سالار سکلار نامی اپنی تمام باقیماندہ فوج لیکر میدان میں آگیا جس سے لڑائی کا رنگ ہی بدل گیا - اسلامی سپاہ میں سب سے آگے حضرت خالدبن ولید تھے - یہ نازک حالت دیکھکر آپ کی حرارت اسلامی نے جوش مارا - اور اس وقت پھر آپنے یہ آیت بڑے پُر زور لہجہ میں پڑھکر سنائی "فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالاخرۃ ومن یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل او یغلب فسوف نؤتیہ اجرا عظیما ٥ ترجمہ - سو - چاہئے لڑیں اللہ کی راہ میں - جو لوگ بیچتے ہیں دنیا کی زندگی آخرت پر - اور جو کوئی لڑے اللہ کی راہ میں پھر مارا جائے یا غالب ہو - ہم دینگے اس کو بڑا اجر (ثواب)

مسلمانوں میں جو جوش اس آیت سے پیدا ہوا - قلم میں طاقت نہیں کہ بیان کر سکے - اس جوش اس اثر اور اس کیف و وجد کا جو اس آیۃ شریفہ سے پیدا ہوا ادنیٰ اندازہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے یکبارگی حملہ سے عیسائیوں کے ہوش و حواس جاتے رہے

صفیں کی صفیں اُلٹ گئیں۔ عیسائی اپنے بڑے بڑے افسروں اور سپاہیوں کی بے شمار لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگے۔ غرض انہوں نے صلح کی درخواست کی۔ جو منظور کی گئی[1]۔ (شمس التواریخ حصہ دوم صفحہ ۲۳)

احمد بن مقاتل علیؒ کہتے ہیں کہ میں ماہ مبارک رمضان میں ایک رات امام کے پیچھے شبلی کے برابر صف میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ امام نے تلاوت کرتے کرتے آیہ کریمہ "وَلَئِن شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ" پڑھی۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو (اے محمدؐ) ہم نے تجھ پر جو وحی بھیجی ہے۔ اُسے واپس لے لیں۔ یہ آیت سنتے ہی شبلی نے اس زور سے چیخ ماری کہ میں سمجھا اس چیخ کے ساتھ ہی ان کی روح پرواز کر گئی۔ تھوڑی دیر بعد ان کی یہ حالت تھی کہ کانپتے تھے۔ اور بار بار کہتے تھے "دوستوں سے یوں خطاب کیا جاتا ہے؟ تو پھر بھلا ہم ایسے لوگوں سے کیا خطاب ہوگا؟"[2]۔

---

[1] تاریخ فتوح البلدان۔ ابن اثیر۔ ابن خلدون وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ سنہ ۱۳ ہجری کا ہے۔ مگر بعض مورخین اس واقعہ کو سنہ ۱۴ ہجری کے واقعات میں تحریر کرتے ہیں۔ [2] تذکرۃ الاولیاء

حصّہ دوم

برق طور

تیسری صدی ہجری کا ذکر ہے کہ بغداد کے ایک مکان میں ایک نوجوان عورت بڑی دلکش لے میں یہ اشعار گا رہی تھی

اذا قلتُ اهدی الهجر لی حلل البلاء　　تقولین لولا الهجر لم یطب الحب

جب میں کہتا ہوں کہ ہجر نے مجھے مصیبت کے خلعت عطا کئے تو وہ جواب دیتی ہے۔ کہ اگر ہجر نہ ہوتا تو محبت میں مزہ بھی نہ تھا۔

وان قلتُ هذا القلب احرقه الهوی　　تقولی بنیران الهوی شرف القلب

اور اگر کہتا ہوں کہ عشق نے اس دل کو پھونک دیا تو وہ کہتی ہے کہ عشق کی آگ ہی نے تو دل کو شرافت عطا کی ہے۔

وان قلت ما اذنبت قالت مجیبةً　　حیاتک ذنب لا یقاس به ذنب

اور اگر کہتا ہوں کہ میں نے کیا خطا کی تو جواب دیتی ہے کہ خود تیری زندگی ہی اتنا بڑا گناہ ہے جس کے برابر کوئی گناہ نہیں ہو سکتا۔

ان اشعار اور اس دلربا کے گلے نے شاید بہتوں کو اپنی کشش سے راستہ روک کے کھڑا کر دیا ہوگا۔ بہتوں کی زبان سے بے اختیار "واہ واہ" کا کلمہ تحسین نکل گیا ہوگا۔ اور بہتوں نے متاثر ہو کے بے تحاشا آہ فلک دوز کھینچی ہو گی۔ لیکن ان سب کے مذاق سے الگ ایک پاکباز و صاحب باطن رہرو پر یہ نغمہ اور یہ جادو بھری آواز قیامت کا اثر کر گئی۔ اس نے بے تحاشا ایک نعرہ مارا۔ اور اُس پر ایسا عالم وجد طاری ہوا کہ دروازے پر کھڑا ہو کے ستون کی طرح جھومنے لگا۔ اس کا نعرہ مستانہ سن کے راہگیر ٹھٹک کے کھڑے ہو گئے۔ قریب و جوار کے لوگ جوش ہمدردی سے دوڑ پڑے۔ اور خود مالک مکان

بھی گھبرا کے باہر نکل آیا۔ مالک مکان نے باہر آتے ہی پوچھا "کیا ہوا؟" اُس از خود رفتہ صاحب دل نے عجز و فروتنی سے جواب دیا "مجھے اس نغمے نے بیتاب کر دیا" اس کے بعد گانے کی آواز سننا اور اپنا بے تاب و بے خود ہو جانا غرض ساری سرگذشت صاف صاف اور بلا کم و کاست کہہ سنائی مکان والا بھی اہل دل کا قدر شناس۔ فیاض اور منچلا تھا۔ ایک شریف و نیک سیرت شخص کو اس بیتابی و مدہوشی کے عالم میں دیکھ کے عرض کیا "حضرت یہ میری لونڈی کی آواز تھی۔ آپ کو اُس سے دلبستگی پیدا ہو گئی ہے تو وہ آپ ہی کی ہے"۔ یہ کہتے ہی اندر جا کے لونڈی کو باہر نکال لایا۔ اور اس کا ہاتھ ان بزرگ کے ہاتھ میں دے کے کہا "اب یہ آپ کی ہو چکی۔ آپ کو اختیار ہے چاہے یونہی اپنے تصرف میں لایئے۔ اور چاہے آزاد کر کے نکاح پڑھا لیجئے"۔ یہ بزرگ بھی کوئی معمولی شخص نہ تھے۔ ان کی بے خودی کسی شہوانی جوش اور سیہ کاری کے جذبے کا نتیجہ نہ تھی۔ لونڈی پر قابو پایا۔ تو اُسی جگہ اور اُسی مقام پر آزاد کر کے اپنی خانقاہ کے ایک شریف و ہم مذاق دوست کے ساتھ اس کا نکاح پڑھ دیا اور آگے کی راہ لی[1]۔

اس واقعہ کی یادگار رہیں اُدھر اُس لونڈی کے بطن سے تو چند روز بعد ایک صاحب علم و فضل لڑکا پیدا ہوا جس نے پا پیادہ تیس حج کیے۔ اُدھر ان بزرگ کی بھی عجب حالت ہو گئی۔ یہ نغمۂ دلکش ان کے پُر شور دل پر کچھ ایسا اثر کر گیا تھا۔ کہ اسی ایک سریلی تان اور جادو بھری آواز نے سچی فنائیت کے رُتبے پر پہنچا کے ولی کامل بنا دیا۔

یہ بزرگ کون تھے؟ انہیں کوئی گم نام و غیر معروف شخص نہ خیال کرو۔ یہ ایک بڑے اعلےٰ پائے کے ولی کامل تھے۔ اور وہ شخص تھے۔ جن کا نام حقیقت و عرفان کے عالم میں ہمیشہ آفتاب عالمتاب کی طرح چمکتا رہیگا یہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جن کے نام کا ساری دنیا ادب کرتی ہے۔ جنہوں نے ریاضت و نفس کُشی اور صفائے باطن کے اعتبار سے اسلام میں امامت کا مرتبہ حاصل کیا ہے۔ جنہیں مشائخ باطن اپنا پیشرو تسلیم کر کے "سید الطائفہ" کے لقب سے یاد کرتے ہیں[2]۔

---

[1] وفیات الاعیان لابن خلکان۔ حالات جنید بغدادی رح [2] تذکرہ جنید بغدادی۔

حضرت شیخ ابوبکر شبلی رح ایک دن دریائے وحدت میں ڈوبے ہوئے اور عشق الٰہی سے بیتاب و بیقرار عجب مستانہ وضع سے اپنے مرشد حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سامنے آکے ادب سے کھڑے ہوگئے۔ اور انتہا درجے کی بیتابی کے ساتھ اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور جوش و خروش سے یہ اشعار پڑھے۔

عَوَّدُونِی الوصول والوصل عذبٌ　　　ورموني بالصدِّ والصدُّ صعبُ

مجھے وصل کا عادی بنایا۔ اور وصل شیریں ہے۔ اور روگردانی سے مجھے زخمی کیا۔ اور روگردانی بڑی دشوار چیز ہے۔

زعموا حین ازمعوا انَّ ذنبی　　　فرطُ حبّی لهم وما ذاک ذنبُ

مجھے زخمی کرنے کا ارادہ کرتے وقت وہ سمجھے کہ میرا گناہ یہی ہے کہ مجھے اُن سے زیادہ محبت ہے۔ حالانکہ یہ کوئی گناہ کی بات نہیں۔

لا وحقِّ الخضوعِ عند التلاقی　　　ما جزاءُ من یحبُّ الّا یُحَبُّ

اس فروتنی کی قسم جو وصال کے وقت ہوا کرتی ہے۔ محبت کرنے والے کی سزا یہ نہیں ہے کہ محبت ہی نہ کرے۔

یہ اشعار سُن کے حضرت جنید نے بھی بیتابی کے ساتھ یہ پُرجوش و پُرحسرت شعر پڑھ دیا۔

وتمنیت ان اراک فلما رأیتکا　　　غلبت دهشة السرور فلم املک البکا

اور مجھے تیرے دیکھنے کی تمنا تھی۔ لیکن تجھے جب دیکھا تو مسرت کی حیرت اس قدر طاری ہوئی کہ جوش گریہ کو نہ روک سکا[1]۔

جب حضرت جنیدؒ کا انتقال ہوا۔ اور جب لوگ قبرستان سے واپس پلٹے تو ایک مجذوب فقیر نے جو جنازہ کے ساتھ تھا حضرت جنیدؒ کے خلیفہ اور جانشین ابو محمد حریری سے کہا۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ اس سردار کو ہاتھ سے کھو کر اب میں واپس اپنے مقام پر جاؤنگا۔ اس کے بعد یہ اشعار پڑھے۔

[1] وفیات الاعیان لابن خلکان۔

وا اسفا من فراق قوم ۔۔۔ هم المصابیح و الحصون

ہائے! افسوس ان لوگوں کے فراق میں جو چراغ (ہدایت) اور قلعہ (حملہ شیطان سے بچنے کے ساتھ) تھے۔

والمدن والمزن و الرواسی ۔۔۔ والخیر والامن والسکون

اور شہر تھے۔ اور ابر تھے۔ اور پہاڑ تھے ۔۔۔ اور نیکی تھے اور امن تھے اور سکون تھے

لم تتغیر لنا اللیالی ۔۔۔ حتی توفتهم المنون

ہمارے حق میں راتوں (زمانے) میں انقلاب نہیں ہوا یہاں تک کہ موت نے ان کی زندگی ختم کر دی۔

فکل جمر لنا قلوب ۔۔۔ وکل ماء لنا عیون

تو سب چنگاریاں گویا ہمارے دل ہیں اور سارے چشمے گویا ہماری آنکھیں ہیں

یہ اشعار ختم کرتے ہی وہ ایک طرف بھاگا چلا گیا۔ اور اس کے بعد کبھی اس کی صورت نہ دکھائی دی[1]۔

حضرت ابو بکر شبلیؒ ایک واقعہ کا بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا ایک مجنوں چلا جاتا ہے۔ اور بازار کے لڑکے اس کے پیچھے ہیں جو اسے پھینک پھینک کے پتھر مار رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ان پتھروں سے اس غریب کا سر پھٹ گیا۔ اور سارا منہ خون آلود ہے یہ حالت دیکھ کے میں نے لڑکوں کو جھڑکا اور ڈانٹا کہ "کیوں اس غریب کو ستاتے ہو؟" لڑکوں نے کہا "جناب آپ اس میں دخل نہ دیجیے۔ ہم اسے بے مارے نہ رہیں گے۔ یہ کمبخت تو کافر ہے!" میں نے کہا "تم نے کیسے جانا کہ یہ کافر ہے؟" سب بولے "جناب اس کے دل میں لیسی سمجھی ہے کہ میں خدا سے ملتا ہوں۔ اور اس سے باتیں کرتا ہوں۔" تب میں نے کہا "اچھا ذرا ٹھہرو میں اس سے دو تین باتیں کر لوں۔" پھر میں اس مجنوں کے قریب گیا تو دیکھا کہ آپ ہی آپ باتیں کرتا اور ہنس ہنس کے کہہ رہا ہے "بس یہ تو نے خوب کیا کہ ان لڑکوں کو مجھ پر مسلط کر دیا تاکہ ستائیں۔" میں نے کہا "تم نے سنا بھی کہ لڑکے کیا کہتے ہیں۔" فوراً

[1] تذکرہ جنید بحوالہ طبقات الکبریٰ۔

میری طرف دیکھ کے پہلے کہا "ابن شبلی" ! پھر پوچھا "کیا کہتے ہیں" میں نے کہا کہتے ہیں کہ تم اپنے گمان میں خدا کو دیکھنے اور اس سے باتیں کرتے ہو" یہ الفاظ سنتے ہی اس نے جوش و خروش سے ایک نعرہ مارا۔ اور کہا "شبلی قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے اپنی محبت میں مبتلا کیا۔ اور پھر اپنے قرب و بُعد کے درمیان میں لٹکا رکھا ہے۔ ایک چشم زدن کے لئے بھی اگر وہ میری نظر سے اوجھل ہو جائے تو میں صدمہ فراق سے تڑپ تڑپ کے پاش پاش ہو جاؤں" پھر یہ شعر پڑھا۔

خیالك فی عینی ذکرك فی فمی ومثواك فی قلبی فاین تغیب

تیرا خیال میری آنکھوں میں ہے۔ تیرا ذکر میری زبان پر ہے۔ اور تیرا مقام میرے دل میں ہے۔ پھر تو کہاں چھپ کے جائیگا ؟) اور یہ شعر پڑھتا ہوا بھاگا چلا گیا[۱]۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اپنی کتاب عوارف المعارف میں لکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص یہ شعر پڑھ رہا تھا۔ ؎

أُسَائِلُ عَنْ سَلْمیٰ فَهَلْ مِنْ مُخَبِّرٍ یَکُونُ لَهُ عِلْمٌ لَهَا اَیْنَ تَنْزِلُ

سلمیٰ کو پوچھتے ہو۔ بھلا کوئی خبر دینے والا ہے۔ جو جانتا ہو اور بتائے کہ وہ کہاں جا کے ٹھہرے گی

حضرت شیخ شبلیؒ نے جب یہ شعر جو جذبات و محبت کے عالم میں ڈوبا ہوا تھا سنا تو تڑپ اُٹھے۔ اور ایک نعرہ مستانہ مارا اور بولے۔ خدا کی قسم دونوں جہان میں کوئی خبر دینے والا نہیں۔

ایک دن مغنّی کو گاتے سن کے عین حالت سماع میں بے خود ہو کے زور و شور سے ایک نعرہ مارا۔ لوگوں نے کیفیت پوچھی تو بجائے اس کے کہ کچھ بیان کریں۔ مشہور شاعر عرب کثیر کا یہ جذب و ذوق عشق میں ڈوبا ہوا شعر پڑھا

لو یسمعون کما سمعت کلامها خرّوا لعزّة رُکّعاً وَ سُجُودًا

جس طرح میں نے اس کی باتیں سنی ہیں۔ اگر یہ سب لوگ سُن پاتے تو عزہ

---

[۱] تذکرہ ابوبکر شبلی بحوالہ روض الریاحین یافعی۔ ۵۲۔

(میری معشوقہ) کے آگے رکوع وسجود گر پڑتے [۱]

عبداللہ بن علی نام ایک بزرگ کا بیان ہے کہ ایک رات کو میں اور شبلی ایک صحبت سماع میں شریک تھے۔ قوال نے کچھ گایا۔ اور شبلی نے اس کے اثر نغمہ سے متاثر ہو کے ایک نعرہ مارا۔ اور بیٹھے بیٹھے وجد و بیخودی کی حالت طاری ہوئی۔ اب اور سب لوگ تو کھڑے ہوئے تھے۔ مگر آپ بیٹھے تھے۔ اہل مجلس میں سے کسی نے کہا۔ ابوبکر یہ کیا کہ تمام اہل محفل تو کھڑے ہیں۔ مگر آپ بیٹھے ہوئے ہیں؟" یہ بات سن کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر حالت مستی بدستور تھی۔ اب آپ نے ابونواس کا یہ شعر پڑھا۔

لِی سُکْرَتَانِ وللمندمان وَاحِدَۃٌ   شَیْءٌ خُصِصْتُ بِہٖ من بَیْنِہِمْ وَحْدِی

مجھے دو نشے ہیں۔ اور ہم صحبتوں کو ایک اور یہ ایسی بات ہے کہ ان سب میں سے صرف میرے ہی لئے مخصوص ہے [۲]

بعض لوگوں نے حضرت ابوبکر شبلی کو عالم وجد میں دیکھا کہ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے ہیں۔ اور مستانہ وار یہ اشعار پڑھ رہے ہیں۔

شَقَقْتُ جیبی علیکَ شَقّاً   وَمَا لِجَیْبِی عَلَیْکَ حَقّاً

میں نے اپنے گریبان کو پھاڑ ڈالا حالانکہ گریبان کا تجھ پر کوئی حق نہ تھا یعنی اسے کچھ تعلق نہ تھا۔

اَرَادَتْ قَلْبِی فَصَادَ فَشَلَّے   بَدَا اِی بِالْجَیْبِ اِذْ نو فا

میں نے تو دل ہی کے ارادے سے ہاتھ بڑھایا تھا۔ مگر گریبان نے ہاتھ کو روکا اور پھٹ گیا۔

لَوْ کَانَ قَلْبِی مکان جیبی   لَکَانَ لِلشَّقِّ مُسْتَحَقّاً

اگر میرے گریبان کی جگہ میرا دل پھٹا ہوتا تو وہ بے شک چاک ہونے کا زیادہ مستحق تھا [۳]

ابوبکر خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں بیان کیا ہے کہ ایک دن ابوالحسن ؛

[۱] تذکرۃ الادبیا [۲] تذکرہ شبلی بحوالہ قشیریہ ۲۰۶ [۳] تذکرہ شبلی بحوالہ روض الریاحین ۲۸۸

حضرت ابوبکر شبلی کے گھر میں گئے تو دیکھا کہ جوش میں آ آکے وہ یہ اشعار پڑھ رہے ہیں

عَلٰی بُعْدِكَ لَا یَصْبِرُ　　　　مَنْ عَادَتُهُ الْقُرْبُ

تیرے فراق میں وہ شخص صبر نہیں کر سکتا۔ جسے پاس رہنے (وصل) کی عادت پڑی ہوئی ہو۔

وَلَا یَقْوٰی عَلٰی ہَجْرِكَ　　　　مَنْ تَیَمَّهُ الْحُبُّ

اور ہجر کے برداشت کرنے کی وہ شخص قوت نہیں رکھتا۔ جسے محبت نے ذلیل وخوار کر دیا ہے۔

فَاِنْ لَمْ تَرَكَ الْعَیْنُ　　　　فَقَدْ یُبْصِرُكَ الْقَلْبُ

تو اگر تجھے آنکھ نہیں دیکھتی تو دل دیکھ رہا ہے[1]

حضرت سری سقطی طبقہ اول کے صوفیاء میں تھے۔ انکا انتقال ۱۳ رمضان المبارک ۲۵۳ھ کو ہوا ہے۔ حضرت جنید کے ماموں اور استاد تھے۔ حضرت جنید فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں آپ کے گھر گیا۔ رونے کی آواز آئی۔ اندر گیا تو دیکھا۔ آپ جھاڑو دے رہے ہیں۔ اور روتے ہیں۔ اور یہ شعر پڑھ رہے ہیں ؎

لا فی النہار ولا فی اللیل لی فرح　　　　فلا ابالی اطال اللیل ام قصرا

راتیں لمبی ہوں یا چھوٹی مجھے ان کی پرواہ نہیں مجھے تو (اس کی جدائی میں) نہ دن کو چین ہے نہ رات کو۔

عمرو بن عثمان مکی صوفی دوسرے طبقہ کے صوفیاء میں بہت نامور ہوئے۔ حسین ابن منصور حلاج آپ ہی کے شاگرد تھے۔ آپ کی وفات ۲۹۱ھ سے ۲۹۷ھ کے اندر کسی سال میں بیان کی جاتی ہے۔ ایک نوجوان آپ کی صحبت میں آیا۔ اس کے باپ نے اس کو منع کیا کہ ان لوگوں سے کیا حاصل ہے۔ پیٹ کو بھی بھوکا مریگا۔ غرض اس نے آنا بند کر دیا۔ لیکن دفعتاً بیمار ہو گیا۔ عمرو بن عثمانؒ کو عیادت کے لئے طلب کیا گیا۔ وہ اپنی جماعت کے ہمراہ اس کے مکان پر گئے۔ قوال ساتھ تھے۔ بیمار نے کہا

---

[1] تذکرہ شبلی بحوالہ ابن خلکان ۱-۲۵۰۔

حضرت - اس کو کہئے کچھ پڑھے - قوال نے یہ اشعار پڑھے۔

مالی مرضت فلم لیبد لی عاید　　منظم و یمراض عبدکم فاعود

واستد ومن مرضی علی صدودکم　　وصدود عبدکم علی شدید

یہ کیا بات ہے کہ میں بیمار ہوتا ہوں تو تم میں سے کوئی بھی میری عیادت کو نہیں آتا۔ لیکن تمہارا غلام بھی اگر بیمار ہو جائے تو میں اُس کی بیمار پُرسی کرتا ہوں اور میری بیماری سے سخت زیادہ مجھ کو تمہاری رکاوٹ ہے۔ اور تمہارے غلام کی رکاوٹ اور بھی سخت ہے۔

ان اشعار سے بیمار کے دل کی عجیب کیفیت ہوئی۔ جس مرض کے علاج میں شہر کے نامی طبیب عاجز رہ گئے تھے۔ وہ دو شعروں سے دُور ہو گیا۔ اور جو بیمار درد اور بے چینی کی وجہ سے بے قرار رہتا تھا۔ اب اطمینان و سکون کی حالت میں تھا۔ مولانا جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں۔ بیمار پر اشعار کا جُوں جُوں اثر ہوتا تھا۔ اس کی صحت میں ساتھ ہی ساتھ نمایاں فرق آتا تھا پہلے ہی شعر پر اُس میں اُٹھ کر بیٹھ جانے کی طاقت آگئی۔ اور دوسرے شعر کے خاتمہ پر اس کو بیماری سے بالکل نجات ہو گئی۔ اس کے باپ نے توبہ کی۔ اور اپنے بیٹے کو عمرو کے سپرد کر دیا۔ جو پیر و مرشد کی برکت سے بزرگان طریقت میں مشہور ہوا۔

امام المحبت سمنون بن حمزہ حضرت جنیدؒ کے ہمعصروں میں ہوئے ہیں۔ ایک دن لوگوں نے ان کو دجلہ کے کنارہ پر دیکھا۔ کہ لکڑی کی شاخ اپنی ران پر مارتے ہیں ران زخمی ہو گئی ہے۔ جس سے خون بہتا ہے۔ لیکن آپ اس کی مطلق پرواہ نہیں کرتے بلکہ جوش و خروش اور رچھڑی کی تان کے ساتھ اشعار ذیل پڑھ رہے ہیں۔

کان لی قلب اعیش بہ　　ضاع منی فی تقلبہ

رب فارددہ علی فقد　　ضاق صدری فی تطلبہ

ودعث مادام لی رمق　　یاغیاث المستغیثین بہ

یعنے۔ میرا ایک دل تھا جس سے میری زندگی تھی۔ وہ پلٹا کھا کر ضائع ہو گیا

اے پروردگار اس کو پھر لوٹا دے۔ کیونکہ میرا سینہ اس کی طلب میں بے قرار ہے اور جب تک مجھ میں جان باقی ہے۔ اے فریاد والوں کے فریاد رس۔ میری فریاد پوری کر۔

زہرون مغزلی ایک طرابلسی بزرگ گذرے ہیں۔ جن کا انتقال مکہ معظمہ میں ہوا ہے۔ ایک دفعہ درویشوں کی جماعت کے ساتھ باہر سیر کو گئے۔ ہمراہیوں میں سے کسی نے یہ دو شعر پڑھے ؎

وسنا برق نفی عنی الکرٰی لم یزل یلمع لی من نالی طوی

منزل سلمٰی بہ نازلتہ طیب الساحتہ معمور الفناء

یعنے "روشنی چمکی اور اس نے میری نیند دور کر دی۔ اور وہ درطوٰ سے ہمیشہ چمکتی تھی۔ یہ وہ مقام ہے۔ جہاں سلمٰی اُتری تھی۔ جس کا میدان عمدہ ہے۔ اور جس کا گرداگرد آباد ہے"۔

زہرون مغزلی کی طبیعت میں دفعتاً ایک کیفیت پیدا ہو گئی۔ یہ اشعار سنکر ایک شور مچایا۔ چند نعرے مارے۔ اور کہا اب واپس چلو۔ مَیں نے سیر کر لی۔

ابویعقوب بن نزیزی سماع کے عاشق تھے۔ ایک دفعہ ایک قوال نے یہ شعر پڑھا۔

لواستندت میتا الی نحرھا عاش ولم ینقل الی القابر

یعنے۔ اگر محبوبہ مردہ کو اپنی گود میں تکیہ دے تو وہ زندہ ہو جائے۔ اور قبر کیطرف نہ جانے پائے۔ ابن نزیزی نے جو بیٹھے ہوئے تھے۔ اپنے ہاتھوں کو پیٹھ کے پیچھے سے زمین پر رکھا۔ اور سینہ اونچا کر کے آنکھیں آسمان کی طرف کر لیں۔ اور کہا اسی کو پڑھو۔ اور بار بار پڑھو۔ واللہ میرے سوا اور کوئی اس کی لذت سے آگاہ نہیں ہے۔ اسی جوش و خروش میں ان کی رگوں سے خون نکلنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ بیہوش ہو گئے۔ لوگوں نے ان کو سنبھالا۔ خون دھویا۔ اور زخم پر کپڑا باندھ دیا۔

ابوبکر بن طاہر جو حضرت شبلی رح کے ہمعصروں میں سے تھے۔ فرماتے ہیں۔ مَیں نے

؎ نفحات الانس

ایک بزرگ کو دیکھا۔ روتا اور چیختا چلاتا تھا۔ اور یہ شعر پڑھتا تھا ؎

الا رب من یدنو ویزعم انہ لحبات والنائی ادود واقرب

ترجمہ۔ یاد رکھو۔ بہت سے جو قریب ہیں گمان کرتے ہیں۔ کہ وہ تیرے دوست ہیں لیکن بعض دور کے رہنے والے زیادہ دوست اور زیادہ قریبی ہیں۔ سچ ہے ؎

چاہے توڑالدے وہ دوزخ میں زاہد ہوں کہ کُن وہم میں پڑے ہیں وہم وگمان والے

ابوبکر سفار فرماتے ہیں۔ میں کشتی پر سوار تھا۔ دفعتاً ہوائے مخالف نے تمام کشتی والوں کے اوسان خطا کر دیئے۔ لوگ روتے تھے اور دعا کرتے تھے کشتی میں ایک گدڑی فروش فقیر بھی تھا جس نے اپنے سر اور منہ کو بھی گدڑی سے چھپایا ہوا تھا۔ لوگوں نے اس کے پاس جا کر دعا کی درخواست کی۔ اس نے گدڑی سے سر باہر نکالا۔ اور ایک مصرع پڑھا ع

عجبت لقلبك كيف انقلب

تعجب ہے کہ تیرا دل مجھ سے کیوں پلٹ گیا۔ یہ کہکر سر کو پھر گودڑی میں چھپالیا۔ لوگوں نے کہا عجب دعا ہے۔ ہماری جان پر بنی ہے۔ اور یہ شاعری کر رہا ہے۔ آپ نے پھر سر باہر نکالا۔ اور کہا ع

وشدة حبك لي لمذهب

تیری محبت جو مجھ سے تھی۔ وہ کیوں جاتی رہی۔ لوگ پھر حیران ہو گئے لیکن اس عرصہ میں ہوا کچھ کم ہو گئی۔ اور لوگوں کی جان میں جان آچکی تھی لوگوں نے کہا۔ کچھ اور کہئے۔ آپ نے یہ دو شعر پڑھے ؎

واعجب من ذا وذا انني اراك بعين الرضا في الغضب

فان جدت بالوصل احييتني والا بطريق العطب

یعنے ان سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ میں تجھے غضب کی حالت میں بھی خوشی کی آنکھ سے دیکھتا ہوں۔ اگر تو اپنے وصل سے مجھ پر بخشش کرے تو مجھے زندہ کرسکتا ہے۔ ورنہ یہ طریقہ (جو نظر آرہا ہے) ہلاکت کا ہے۔ ان شعروں کے

خاتمہ پر پانی کی موجیں ساکن ہو گئی تھیں۔ اور ھوا فی الواقعہ ہوا ہو گئی تھی۔

طاؤس الحرمین[۱] حضرت ابوبکر طرطوسیؒ کا بیان ہے کہ میں مکہ معظمہ میں ایک شخص کا مہمان تھا۔ ایک دفعہ ان کی لونڈی نے جو لکھی پڑھی تھی۔ اپنی مست کر دینے والی آواز میں یہ شعر پڑھا۔

لامنی فیک معشر فاقلوا واکثروا

یعنے تیرے متعلق پہلے تو لوگوں نے مجھے ملامت کی۔ اور پھر اسکو گھٹایا بڑھایا۔ ایک اللہ کا بندہ یہ آواز سن رہا تھا۔ اس نے ایک نعرہ مارا۔ اور کہا تیری محبت میں سوا تیرے اور کسی نے ملامت نہیں کی۔ یہ کہکر گر پڑا۔ دیکھا تو مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر چکا تھا۔

ابو القاسم سارئح مکہ معظمہ میں ابو ایوب نجار کے ہاں مہمان تھے۔ مجلس سماع گرم ہوئی۔ قوال نے یہ اشعار پڑھے ؎

کل بیت انت ساکنہ غیر محتاج الی السراج
وجھک المیمون حجتنا یوم یأتی الناس بالحجج
لا اتاح اللہ لی فرجا یوم ادعو منک بالفرج

ترجمہ۔ جس گھر میں تم رہتے ہو اس کو چراغ کی ضرورت نہیں۔ تیرا مبارک چہرہ لوگ دلائل پیش کرینگے ہماری دلیل۔ جس دن کہ میں تجھ سے رہائی چاہوں۔ خدا مجھ کو رہائی نصیب نہ کرے۔

اور لوگوں پر خدا جانے کیا اثر ہوا۔ لیکن جو حالت ابو القاسم کی ہوئی۔ وہ حیرت انگیز تھی۔ اس نے داہنا ہاتھ کپڑے سے باہر نکالا۔ اور ایک نعرہ لگا کر گر پڑا۔ لوگوں نے دیکھا تو روح ہوا ہو چکی تھی[۲]۔

نیشاپور[۳] کی ایک مسجد کے ایک گوشہ (حجرہ) میں ایک باخدا درویش رہا کرتا تھا

[۱] مکہ میں مجاور رہنے کی وجہ سے طاؤس الحرمین آپ کا نام مشہور ہو گیا۔ ۳۴۷ھ میں وہیں انتقال فرمایا۔ [۲] نفحات الانس

ادھر ایک قوال بھی آنکلا درویش نے کہا کچھ کہو تا کہ ہم بھی اپنی خوشی ظاہر کریں قوال نے یہ دو شعر پڑھے ؎

الفیت بینی و بین الحب معرفتہ لا تنقضی ا لا بد
لا خارجن من الدنیا و حبکم بین الجوانح لم یشعر بہ احد

یعنی میں نے اپنی اور تمہاری محبت کے درمیان ایسی آشنائی پیدا کی ہے کہ وہ اس وقت تک ختم نہ ہوگی۔ جب تک ابد (قیامت) ختم نہ ہو جائے۔ میں دنیا سے ایسے وقت جاؤنگا۔ کہ تمہاری محبت میری پسلیوں میں ہوگی جس کو کوئی معلوم بھی نہیں کرسکیگا۔

درویش ان اشعار کو سنکر تڑپتا اور لوٹتا تھا ظہر اور عصر کے درمیان جب اس کا اضطراب جاتا رہا وہ بیہوش ہوگیا۔ دیکھا تو جسم بیجان تھا۔

بصرہ اور کوفہ کے درمیان ایک شہر ابلہ ہے۔ اس شہر میں ایک صوفی ایک مکان کے نیچے سے گذر رہا تھا جب اس شعر کی آواز آئی تو ٹھٹھر کر رہ گیا ؎

کل یوم تتلون غیر ھذا ابک احسن کل یوم تتحول غیر ھذا ابک اجمل

یعنی۔ تو ہر روز رنگ بدلتا ہے۔ اور سوا اس کے تجھے بہت اچھا معلوم ہوتا ہے تو ہر دن کو بھی بدلتا رہتا ہے۔ اور سوا اس کے تجھے بہت خوب ہے۔

دیکھا تو یہ مکان ایک امیر کبیر کا ہے۔ اور اس کی لونڈی گا کر اپنے آقا کو خوش کر رہی ہے۔ درویش نے لونڈی کی طرف گردن اٹھا کر کہا تجھے خدا کی قسم۔ تجھے اپنے آقا کی قسم اسی شعر کو پڑھتی رہو چنانچہ جب اس نے تین چار مرتبہ اسی کا تکرار کیا تو مالک نے وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا ہمارے مکان کے نیچے ایک درویش کو اس شعر پر وجد آرہا ہے۔ اور وہ خوش ہو رہا ہے۔ اس لئے دُہرا رہی ہوں۔ مالک مکان نے نیچے دیکھا تو درویش مست ہو ہو کر رقص کر رہا تھا آخر بلند آواز سے ایک نعرہ مارا۔ اور جان بحق تسلیم ہوگیا۔ مالک نے یہ حال دیکھ کر لونڈی کو تو آزاد کر دیا۔ اور شہر کے بڑے بوڑھوں کو بلا کر اس غریب الوطن

درویش کا شان و شوکت سے کفن و دفن کیا۔ اور جب اس سے فارغ ہو چکا۔ تو اپنی تمام جائداد زر و نقد اور مکانات کو درویشوں کے لئے وقف کر دیا۔ اور خود ایک لمبا کُرتہ پہن اور چادر کندھے پر ڈال کر جنگل کی راہ لی۔ اس کے بعد کسی کو اس کے جینے مرنے کا کوئی حال معلوم نہیں ہو سکا۔

حضرت داتا گنج بخش علی مخدوم ہجویری نے بھی کشف المحجوب باب بست و نہم میں اس حکایت کا بروایت دراج ذکر کیا ہے۔ دراج کہتے ہیں ہیں ابن القرطی کے ساتھ بصرہ کی طرف جا رہا تھا۔ دجلہ (دریا) کے متصل ایک بلند مکان میں ایک امیر کی لونڈی یہ شعر گا رہی تھی ؎

فی سبیل اللہ وُدٌّ کان لی لک یبذل　　کل یوم یتلون غیر ھذا بک اجمل

تیری میری دوستی جو دنیاوی خواہشات پر مبنی نہیں (بلکہ خالصاً للہ ہے)
اس بذلہ سنجی کا باعث ہے تو ہر روز مفتون ہوتا جاتا ہے۔ یہ تجھ سے بھی خوبصورت اور جمیل ہے۔ اس شعر کے بعد متذکرہ بالا جوان درویش کے مرنے اور لونڈی کے آزاد ہونے اور مالک کے تارک الدنیا اور آخر میں مفقود الخبر ہو جانے کا واقعہ لکھا ہے۔ اور اس حکایت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ سماع صادق اور جذب میں کامل ہو۔ اور ایسا ہو کہ گناہگاروں کو گناہوں سے بچا دے جھوٹے دکاندار سماع کرنے اور کرانے والوں سے بچو۔ کہ وہ دولت مند ایمان کے لئے غارت گر ہوتے ہیں۔

ابوبکر سوسی شبلی کے ملنے والوں میں تھے۔ ایک دن کہا کوئی گانے والا مل سکے تو لاؤ۔ طبیعت بہت بے چین ہے۔ لیکن کوئی آدمی نہ ملا۔ ایک شخص نے مذاقاً کہا۔ ہمارے پاس ہی ایک جوان اوباش ہے۔ اگر اجازت ہو تو اس کو لے آؤں۔ انہوں نے کہا کیا حرج ہے لے آؤ۔ وہ جوان نشہ میں بدمست تھا جھومتا جھومتا آیا۔ اور باوجودیکہ نشہ میں تھا۔ لیکن جب اشعار شروع کئے تو نشہ کی کوئی علامت نہ تھی۔ اشعار حسب ذیل ہیں ؎

القوم اخوان صدق بینھم نسب　　من المودۃ لم یعدل بہ سبب

تراضعوا ذرّات الصہباء بینہم | واوجبوا الرضیع انکاس مایجب
لایحفظون علی السکران زلتہم | ولا یریبک من اخلاقہم ریب

ترجمہ - گروہ صوفیا سچے بھائی ہیں - ان میں دوستی کا وہ رشتہ ہے کہ کوئی رشتہ اس کی برابری نہیں کرسکتا - انہوں نے شراب محبت کا دودھ پیا ہے - اور برادر رضاعی کے دودھ کو جو ان پر ضروری ہیں لازم سمجھتے ہیں - محبت کے نشوں کے سوالوں پہ ان کی لغزش پر گرفت نہیں کی جاتی - اور ان کے اخلاق میں کسی قسم کا شک پیدا نہیں ہوتا -

تمام مشائخ اس بدمست جوان کی آواز سے خوش ہو کر شور مچانے لگے - ان کے نعروں سے مکان گونج اٹھا - جب جذبات ہلکے ہوئے تو بدمست مطرب نے ابوبکر سوسیؒ کے مصلی پر قے کردی - لوگوں نے منع کیا - مگر انہوں نے کہا کچھ نہ کہو - اسے یہیں رہنے دو - اور تم سب چلے جاؤ - وہ ساری رات بے ہوش رہا - دن نکلا تو کپڑے پھاڑ ڈالے گناہوں سے توبہ کی - اور مریدوں کے سلسلہ میں داخل ہو کر ابوبکر سوسیؒ کے بعد ان کی خانقاہ کا گدی نشین بنایا گیا - سچ ہے ؎

خدا کی دین کا موسےٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

اسی طرح حضرت خواجہ عثمان جالندھریؒ چہل مکتوب میں لکھتے ہیں ؎

بادہ بیما تا برقص آئیم | واندریں رقص برفتوح رساں

یعنے پیالہ بھر تا کہ ہم خوشی سے رقص کریں - اور اس رقص میں ہمیں فتوحات خاص عطا کر -

ابوبکر اشتانیؒ ایک بزرگ تھے - سماع کے دلدادہ - مجلس مکان کے چھت پر گرم ہوئی - قوال نے یہ شعر پڑھے ؎

وتعنا بن ذوب برائیہ | الموت دون ما یبتغیہ

ے نفحات الانس

ان عاش عاش بنغصا او مات مات بدائه

یعنے بیمار عشق ہی ہے۔ جو اپنی بیماری سے پگھلتا ہے۔ موت اس کے لئے بلا سے کم ہے۔ یا بلا کے سوا ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو بے مزہ جیتا ہے۔ اور اگر مر گیا تو اپنی بیماری سے مریگا۔

ہم نفس کے بندوں کو ان مختصر سے دو اشعار میں کوئی خاص جذب و کیفیت کی بات نظر نہیں آتی۔ بلکہ ایسے اوزان سے بہتر اشعار ہر روز دیکھے اور سنے جاتے ہیں۔ مگر دل پر، چونکہ عشق الٰہی کی آگ اور اس کے محبوب کی تڑپ نہیں اس لئے کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن جن لوگوں کو خدا نے درد دل عطا کیا ہے۔ وہ معمولی سا شعر بھی سنتے ہیں تو تڑپ اٹھتے ہیں چنانچہ ابو بکر اشتانیؒ نے سنتے ہی ایک نعرہ مارا۔ اور بے خود ہو کر نیچے آگرے۔ پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اور اس فانی زندگی کو حیات ابدی پر قربان کر دیا۔

چوتھے طبقہ کے مشائخ میں سے مظفر کرمان شاہی ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ ان کی رات تین حصوں پر منقسم تھی۔ ایک حصے میں نماز پڑھتے۔ ایک میں کلام الٰہی کی تلاوت کرتے۔ اور ایک حصہ خضوع اور خشوع اور دعا و اضطراب کی نذر تھا۔ آخری حصہ میں رو رو کر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

قد لسعت حية الهوى كبدى فلا طبيب لها ولا راقى
غير الحبيب الذى شغفت به فعنده رقيتى و ترياقى

یعنے۔ عشق کا سانپ میرے جگر کو کاٹ گیا ہے۔ جس کا سوا اسی حبیب کے جس کا میں عاشق ہوں کوئی طبیب اور منتر کرنے والا نہیں۔ بقول میر تقی میر ؎

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

شیخ ناظم رح ایک بزرگ صاحب ذوق اور صاحب سخن گذرے ہیں ایک مرتبہ وہ شیخ شہاب الدینؒ سہروردی کے پاس آئے شیخ نے کہا ناظم کوئی شعر

تو سناؤ ناظم نے ایک قصیدہ پڑھا جب اشعار ذیل پہ آیا ہے

اھلا و لما الم ساکن اھلا لم اقعہ — قول المبشر بعد الیاس بالفرج

لک البشارات فاخلع مانلبیا عقلا — ناکھات ثم ملی مافیک من عرج

یعنے۔ مجھے خوشخبری اس بات کی ہو جس کا میں اہل نہ تھا۔ خوشخبری سنانیوالے کی بات۔ ناامیدی کے بعد خوشی کی بات۔ تجھ کو خوشخبری ہو۔ رب تو سب غم دور کردے۔ کیونکہ بیشک تیرا ذکر محبوب کے پاس باوجود تیری کجی اور قصور کے کیا گیا ہے۔

یہ اشعار سنتے ہی شیخ المشائخ کھڑے ہو گئے۔ اور وجد کرنے لگے۔ اور جتنے مشائخ مجلس میں موجود تھے۔ وہ بھی اسی رنگ میں رنگے گئے[۱]۔

شیخ برہان الدین ابراہیم جعبریؒ فرماتے ہیں۔ میں ایک مرتبہ جعبر کی اطراف میں اپنے دل سے محبت میں فنا ہونے کی لذتوں کا ذکر کر رہا تھا۔ کہ ناگاہ ایک شخص بجلی کی طرح یہ شعر پڑھتا ہوا میرے پہلو سے گذر گیا ہے

فلم تھونی مالم تکن فی فانیا — ولم تفنی مالم تجلی فیک صورتی

یعنے تم میرے عاشق نہ ہو گے۔ جب تک کہ مجھ میں فنا نہ ہو گے۔ اور تم کو فنا نہ ہو گی۔ جب تک تم میں میری صورت جلوہ گر نہ ہو۔ شیخ برہان الدینؒ لکھتے ہیں میں یہ شعر سنتے ہی بے تاب ہو گیا۔ اور دیوانہ وار اس کے پیچھے دوڑا۔ آخر اس کو پکڑ لیا۔ اور کہا۔ اب آگ لگا کر کہاں جاتے ہو۔ یہ خیال تم نے کہاں سے لیا۔ اور تم کون ہو۔ اس نے کہا یہ شعر میرے بھائی شمس الدین ابن الفارض[۲] کا ہے جو آجکل مصر میں ہیں۔ ان کی حالت تنگ ہے۔ مجھے ان کی نماز پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔ میں ان کے پاس جا رہا ہوں غرض وہ ابن الفارض کے پاس پہنچے جو حالت

---

[۱] نفحات الانس [۲] آپ کی کیفیت ابو حفص ہے۔ نام عمر۔ بنی سعد کے قبیلہ سے ہیں جو دائی حلیمہ کا قبیلہ۔ حموی الاصل ہیں۔ مگر پیدائش مصر کی ہے۔ ۱۰ جمادی الاول ۶۳۲ھ کو انتقال کیا بڑے بزرگ اور مقبول بارگاہ خداوندی تھے۔ نفحات الانس

نزع میں تھے۔ ابن الفارض نے کہا۔ ابراہیم مبارک ہو۔ تم اولیائے اللہ کے گروہ میں سے ہو۔ میں نے دعا مانگی تھی کہ خداوندا جب میرے انتقال کا وقت قریب آئے تو اپنی جماعت کو میرے پاس بھیجنا تحقیق تم اسی جماعت میں سے ہو۔ شیخ ابراہیم جعبری فرماتے ہیں کہ ابن الفارض کا چہرہ دفعتاً متغیر ہو گیا۔ ایک آہ بھری۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور یہ اشعار پڑھے سہ

ان کان منزلتی فی الحب عندکم ما قد رایت فقد ضیعت ایامی

امنیۃ ظفرت روحی بھا زمنا الیوم رھھا اضغاث احلام

یعنے اگر میرا مرتبہ تمہارے نزدیک یہی ہے۔ جو میں نے دیکھا۔ تو پھر میں نے بیشک اپنی عمر ضائع کی۔ وہ آرزو جو مدت تک میری روح کو کامیاب رکھے ہوئے تھی۔ آج ایک پراگندہ خواب کی طرح ہے۔ میں نے پوچھا۔ اس کی کیا وجہ ہے فرمایا مجھے بہشت دکھایا گیا ہے۔ لیکن میں رابعہ کے قول کے مطابق جنت کی رغبت اور دوزخ کے خوف کی وجہ سے اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں نے محض اس کی ذات پاک کے لئے اپنی ساری عمر گذار دی ہے۔

رابعہ شامیہ جو ایک نہایت عارفہ بی بی گذری ہیں۔ عشق احدیت اور خوف الٰہی کے الگ الگ جذبات کے وقت ان کی حالت بالکل متغیر ہو جایا کرتی تھی چنانچہ غلبہ محبت الٰہی کے وقت وہ بے تاب ہو جایا کرتیں۔ اور یہ شعر پڑھکر دل کا بخار نکالا کرتی تھیں سہ

حبیب لیس یعدلہ حبیب وما لسواہ فی قلبی نصیب

حبیب غاب عن بصری وشخصی ولکن عن فؤادی لا یغیب

یعنے۔ وہ ایسا محبوب ہے جس کے برابر کوئی حبیب نہیں۔ اور اس کے سوا میرے دل میں اور کسی کا گذر نہیں۔ گو میری آنکھ اور میرے وجود سے وہ دور ہے۔ لیکن میرے دل سے وہ دور نہیں ہے۔ خوف کی حالت میں ان کا بدن کانپ جاتا۔ وہ تھر تھرا اٹھتیں۔ اور ان کا چہرہ زرد ہو جاتا۔ ۔ اور آنسوؤں کے قطروں

کے ساتھ وہ ذیل کے اشعار پڑھتیں۔

وزادی قلیل الاورادہ مبلغی الزاد ابکی ام لطول مسافتی

الحرقتنی بالنار یا غایۃ المنی فاین رجائی منک این مخافتی

یعنی۔ میرا توشہ اس قدر تھوڑا ہے کہ وہ مجھے منزل تک پہنچانے کے لئے ناکافی ہے۔ اب توشہ کی کمی کے لئے روؤں یا لمبی مسافت کے لئے۔ اسے میری غایت آرزو۔ کیا تو مجھ کو آگ میں جلائیگی۔ (جب یہی حالت ہے تو) میری امیدیں کہاں گئیں۔

حضرت سری سقطی کے زمانہ میں (جو حضرت جنید رح کے استاد تھے) ایک نہایت عارفہ و عفیفہ بی بی بہ اسم تحفہ گذری ہیں۔ جن کو ان کے مالک نے بیس ہزار درہم پر خرید اتھا۔ وہ ہر وقت شعر پڑھا کرتی اور مست رہا کرتی تھیں ظاہر بین ان کو دیوانہ خیال کرتے تھے۔ اور اسی خیال سے ان کے مالک نے ان کو شفاخانہ میں علاج کے لئے بھجوادیا تھا۔ ایک دن حضرت سری سقطی شفاخانہ میں آئے وہ عورت ان کو دیکھکر رونے لگی۔ اور شعر پڑھنے لگی۔ حضرت نے مہتمم سے پوچھا یہ کون عورت ہے۔ عورت یہ باتیں سنکر اور بھی رونے لگی۔ اور نہایت سوز و گداز سے یہ اشعار زبان پر لائی ؎

معشر الناس ما جننت و لکن انا سکرانۃ و قلبی صاحی

اغللتم یدی ولم ات ذنبا غیر جہدی فی حبہ وافتضاحی

انا مفتونۃ بحب حبیب لست ابغی عن بابہ من براحی

فصلاحی الذی زعمتم فسادی و فسادی الذی زعمتم صلاحی

ما علی من احب مولی الموالی وارتضاہ لنفسہ من جناحی

یعنی۔ اسے لوگو میں دیوانی نہیں ہوں۔ لیکن میں مست ہوں۔ اور میرا دل چلا رہا ہے تم نے میرے ہاتھوں کو جکڑ دیا ہے۔ حالانکہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا بجز اس کے کہ اس کی محبت میں میری سعی اور رسوائی ہے۔ میں محبوب کی محبت

میں مفتون ہوں۔ اور اس کے دروازہ سے دور ہونا نہیں چاہتی۔ پس جسکو تم نے میرا فساد سمجھ لیا ہے۔ وہی میری اصلاح یعنی درستی ہے۔ اور جس کو تم میری درستی خیال کرتے ہو۔ وہی میرا بگاڑ ہے جو شخص خواجہ خواجگان کا محب ہو۔ اور اس کو اپنے لئے پسند کرے تو اس پر کیا گناہ عاید ہو سکتا ہے۔

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں۔ ان شعروں نے میرے بدن کو آگ لگادی اور مجھے جلا دیا۔ میری آنکھوں سے اشک جاری تھے۔ اور میرا رونا بند نہ ہوتا تھا۔ تحفہ نے میرا یہ حال دیکھکر کہا اے سرّی یہ رونا تو صرف اس کی صفت کی وجہ سے ہے اگر اس کو پورے طور پر پہچان لو تو کیا حال ہو۔

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں شفاخانہ کے مہتمم نے میری سفارش سے اس کو آزاد کر دیا۔ لیکن وہ یہی کہتی تھی کہ میں کہاں جاؤں جب تک میرا مالک اجازت نہ دے۔ اسی اثنا میں مالک بھی آگیا۔ اس نے مجھے دیکھکر میری تعظیم کی میں نے کہا یہ لونڈی مجھ سے زیادہ تعظیم کے قابل ہے۔ تم نے اس کو کیوں قید کر رکھا ہے۔ مالک نے کہا یہ دیوانی ہے۔ کھانا پینا اور سونا سب اس نے ترک کر دیا ہے۔ البتہ روتی رہتی ہے۔ جس سے میں سخت بیزار ہوں۔ حضرت سقطی نے فرمایا یہ بیماری (دیوانگی) اس کو کب سے ہے۔ کہا ایک سال سے اور وہ اس طرح کہ بغل میں عود (نام ساز مثل سارنگی وغیرہ) تھا۔ اور رو رہی تھی۔ اور یہ شعر گا رہی تھی ؎

وحقك لانقضت الدهر عهدا	ولا كدرت بعد الصفو ودا
ملأت جوانحي والقلب وجدا	فكيف الذ او اسلو واهدا
فيا من ليس لي مولی سواه	اراك تركتني في الناس عبدا

یعنے: تیرے حق کی قسم میں نے کبھی عہد کو نہیں توڑا۔ اور نہ صفائی کے بعد کدورت پیدا کی ہے۔ میں نے اپنے دل کو اور اپنی پسلیوں کو سوزش سے بھر لیا ہے (تو ہی بتا کہ) میں کس طرح لذت یا آرام حاصل کروں۔ اے وہ ذات کہ جس کے سوا میرا اور کوئی مالک نہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ تو نے مجھے لوگوں کا غلام بنا دیا ہے۔

شعر پڑھنے کے بعد دفعتاً وہ جوش میں آئی۔ عود کو توڑ دیا اور گریہ زاری میں مشغول ہوگئی

حضرت ذوالنون مصری قدس اللہ سرہ اپنے دوران طواف کعبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب میں طواف کرچکا تو مجھے ایک غمزدہ کے رونے کی آواز آئی۔ دیکھا تو ایک لونڈی کعبہ کے پردوں سے لٹک رہی ہے۔ اور کہتی ہے۔

انت تدری یاحبیبی من حبیبی انت تدری وفحول الجسم والدمع یبوحان بسری
قد کتمت الحب حتی ضاق بالکتمان صدری

یعنے۔ اے میرے حبیب تم جانتے ہو کہ میرا حبیب کون ہے تم جانتے ہی ہو۔ میرا لاغر جسم اور میرے اشک پوشیدہ کر رہے ہیں۔ میں نے راز محبت کو بہت چھپایا یہاں تک کہ میرا سینہ اس کے چھپانے سے عاجز ہوگیا۔

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں۔ میں یہ درد بھری آواز سنکر (اس خیال سے کہ اس کی یکسوئی میں ہرج نہ ہو) ایک طرف کو ہوگیا۔ اور ان اشعار کی تاثیر سے بے تاب ہوکر خود بھی رونے لگا۔

حضرت داؤد طائی نے جن کا باطن درد آلہی سے بھرا ہوا تھا۔ کسی نوحہ گر کو ایک دن یہ شعر پڑھتے سنا ؎

بای خدیات تبدی البلی وای عینیک ساحا سالا

یعنے۔ وہ کونسا چہرہ ہے جو خاک میں نہیں ملا۔ اور وہ کونسی آنکھیں ہیں جو دریائے خس وخاشاک میں نہیں بہ گئیں۔ اس شعر کا سننا تھا کہ آپ بیقرار و بےخود ہوگئے اور صبر و قرار کو ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ اسی حالت بیقراری و بیخودی میں حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ کی خدمت میں دوڑے گئے۔ اور شعر کا واقعہ اور اپنی بیتابی کا اظہار کیا۔ اور کہا اب دنیا سے دل سیر ہوگیا ہے۔ اور یہ شعر ایک ناصح مشفق کا کام کرگیا ہے۔ اب میری دستگیری کیجئے۔ اور مجھے سیدھا رستہ بتائیے۔

سیدی احمد[1] بن ابی الحسن الرفاعی جن کو تصوف و سلوک میں بہت بڑا مرتبہ حاصل ہے۔ قوالی کے عاشق تھے۔ اور باوجود عبادت میں کمال مشغول رہنے کے اشعار بھی کہا کرتے تھے۔ ایک دن قوالی کی مجلس گرم تھی۔ قوال نے آپ ہی کی تصنیف سے یہ چار شعر پڑھے ؎

اذا جن لیل هام قلبی بذکرکم | انوح کما ناح الحمام المطوق
وفوقی سحاب یمطر الهم والاسی | وتحتی بحار الهوی تتدفق
سلوا ام عمرو کیف بات اسیرها | تفك الاساری دونه وهو موثق
فلا هو مقتول ففی القتل راحته | ولا هو ممنون علیه فیطلق

ترجمہ۔ جب رات پڑتی ہے تو میرا دل تمہاری یاد سے حیران ہو جاتا ہے۔ میں ایسی فریاد کرتا ہوں جس طرح کبوتری طوق وار چلاتی ہے۔ میرے اوپر ایک بادل ہے جو رنج و غم کو برساتا ہے۔ اور میرے نیچے عشق کے سمندر ہیں جو جوش مارتے ہیں۔ ام عمرو سے پوچھو کہ تمہارے قیدیٔ عشق نے رات کیونکر بسر کی ہے۔ اس کے سوا سارے قیدیوں کی زنجیریں کھول دی گئیں۔ اور وہ ابھی تک بندھا ہے۔ وہ مقتول بھی نہیں ہوا۔ کیونکہ قتل میں راحت ہے۔ اور نہ وہ ایسا ہے کہ اس پر احسان رکھ کر اس کو چھوڑ دیا جائے۔

ان اشعار کے سننے سے آپ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ اور آپ ان سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اسی حالت وجد و کیف میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

شیخ علاء الدین خوارزمی بہت متردد رہا کرتے تھے۔ اسی عالم بے قراری میں انہوں نے ایک کتاب کا مطالعہ کیا جس میں یہ شعر بھی مندرج تھے ؎

---

[1] امام موسیٰ کاظم رضا کی اولاد سے ہیں۔ خرقہ کی نسبت پانچ واسطوں سے شیخ شبلی تک پہنچتی ہے۔ وطن مقام ام عبید ہے جو بطائح کے علاقہ میں ہے۔ ۲۲ جمادی الاولیٰ کو جمعرات کے دن ۵۷۸ھ میں وفات پائی۔ نفحات الانس

کن عن ھو مك معرضا　　وكل الامور الی القضا

فلوبما اتسع المضيق　　ولربما ضاق الفضا

ولرب امر متعب　　لك فی عواقبه رضا

الله يفعل ما يشاء　　فلن تكن متعرضا

ترجمہ - اپنے غموں کو چھوڑ دے - اور اپنے سب کام قضا کے سپرد کر دے کیونکہ بسا اوقات تنگی فراخ ہو جاتی ہے - اور بسا اوقات فضا تنگ ہو جاتی ہے - البتہ بہت سے کام رنج میں ڈالنے والے ہیں - جن کے انجام میں تیرے لئے رضامندی ہے - البتہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے - پس تو ہرگز اعتراض نہ کر

شیخ علاء الدین فرماتے ہیں - جب میں نے ان شعروں کو پڑھا - میری بیقراری جاتی رہی - میری حرارت اور میرے اضطراب کو کسی نا معلوم چیز نے دبا دیا - اور بھڑکتے ہوئے شعلوں پر کسی نے برف سے بھی زیادہ ٹھنڈا پانی گرا دیا - میری سب گرمی جاتی رہی - اور مجھے اطمینان کلی نصیب ہو گیا - (نفحات الانس)

امام غزالی رح احیاء العلوم میں تحریر فرماتے ہیں - کسی صوفی نے ایک شخص کو کہتے سنا ؎

قال الرسول غدا تزور　　فقلت تدری ما تقول

ترجمہ - رسول نے کہا کل کو ملو گے تم -

اس آواز سے صوفی کو اشتغال پیدا ہوئی - اور وجد میں مصرع اول مکرر پڑھنے لگا - صیغہ مخاطب کی جگہ متکلم کہنے لگا - یہاں تک کہ سرور اور لذت سے بے ہوش ہو گیا -

ابو الحسن دراج بغداد سے یوسف بن حسین رازی کی زیارت اور سلام کے لئے روانہ ہوئے - جب مقام رے پر پہنچے تو جس سے ان کا ذکر کیا - اس نے یہی کہا کہ اس زندیق سے تم کو کیا کام ہے - ابو الحسن نے ہر شخص سے ایک ہی کلمہ سننے کی وجہ سے واپسی کا ارادہ کیا - لیکن پھر سوچا کہ اتنا بڑا سفر کیا ہے اور

کچھ نہیں تو اس کو دیکھ ہی لوں ۔غرض ان کے پاس گئے ۔ دیکھا تو وہ مسجد کے محراب میں بیٹھے ہیں ۔ نہایت خوبصورت اور چمک دمک کے آدمی مقطع داڑھی والے ہیں ۔قرآن مجید ہاتھ میں لئے تلاوت فرما رہے ہیں ۔ ابوالحسن نے سلام کیا ۔انھوں نے متوجہ ہو کر فرمایا ۔

کہاں سے آئے ؟

ابوالحسن ۔ بغداد سے ۔

یوسف بن حسین ۔کس لئے آئے ؟

ابوالحسن ۔ آپ کی زیارت اور سلام کے لئے ۔

یوسف بن حسین ۔ اگر تم کو رستے میں کوئی کہتا کہ تم کو مکان اور لونڈی سول لئے دیتے ہیں ۔کہاں جاتے ہو یہاں ٹھیر جاؤ ۔ تو کیا یہ امر تمہارے آنے کو مانع نہوتا ۔

ابوالحسن ۔ اب تک تو خدا نے امتحان میں نہیں ڈالا ۔ اگر ڈالتا تو نہ معلوم اس میں کیسا ہوتا ۔

یوسف بن حسین ۔ کچھ گانا بھی جانتے ہو ؟

ابوالحسن ۔ ہاں ۔

غرض ان کے ارشاد سے آپ نے یہ اشعار نہایت پُرسوز لہجہ میں ادا کئے ؎

رأیتك تبنی دائما فی قطعتی ولو کنت ذا حزم لهدمت ما تبنی
کانی بکم واللیت افضل قولکم الا لیتنا کنا اذا اللیت لا یغنی

ترجمہ :۔ دیکھا ہے تم کو کہ تم بنا کرتے ہو ہمیشہ ۔ اور اگر میں ہوشیار رہتا تو تمہاری بنا کو ڈھا دینا میں ضامن ہوں تمہارے ساتھ اور لیت تمہارا اچھا کلام ہے ۔خبردار ہو کاش کہ ہم ہوتے جبکہ لیت نہ کافی ۔

یہ اشعار سنکر یوسف بن حسین اتنا روئے کہ داڑھی اور رومال تر ہو گیا ۔ابوالحسن کہتے ہیں ۔ان کے اس رونے نے مجھ پر بھی اپنا اثر کر دیا ۔ اور میری آنکھوں سے بھی آنسو نکل پڑے ۔ فرمایا دیکھتے ہو ۔رے کے لوگ مجھے زندیق کہتے ہیں ۔ اور میری یہ حالت ہے کہ ان شعروں کے سننے سے مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے ۔

حضرت سلم عبادانی کہتے ہیں۔ ایک بار ہمارے پاس عتبہ غلام۔ عبد الواحد بن زید۔ صالح مری اور مسلم اسواری تشریف لائے۔ اور ساحل دریا پر فروکش ہوئے۔ میں نے ایک رات ان کی دعوت کی سب صاحب تشریف لائے۔ جب کھانا سامنے آچکا تو اتنے میں کسی نے بلند آواز سے یہ شعر پڑھا ؎

وتلھیك عن دار الخلود مطاعم ولذت نفس غبہا غیر نافع

ترجمہ ؎
یاد تم کو نہیں کھانوں کے مزے ہیں عقبے
کچھ نہ کام آئے گی یہ لذت نفس آخر کار

عتبہ غلام نے ایک چیخ ماری۔ اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔ دوسرے لوگوں کا بھی یہی حال ہوا۔ کھانا جوں کا توں اٹھا لیا گیا۔ اور کسی نے ایک لقمہ بھی نہ کھایا۔

حضرت ابو القاسم بن مروان جو ابو سعید خراز رح کی صحبت میں رہتے تھے۔ اور جنہوں نے بہت برسوں سے راگ سننا چھوڑ دیا تھا۔ ایک مرتبہ کسی دعوت میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک شخص نے جب یہ شعر بلحن داؤدی پڑھا ؎

واقف فی الماء عطشان ولکن لیس یسعےٰ

ترجمہ ؎
بر لب جو تشنہ لب استادہ ام
جام از دستش نمے یابم ہنوز

جتنے لوگ مجلس میں تھے سب نے اس شعر سے سرور فراواں حاصل کیا بلکہ کئی ایک کو وجد ہوا۔ جب ساکت ہوئے تو ابو القاسم نے پوچھا۔ اس کے معنے آپ کیا سمجھے ایک نے کہا معنے یہ ہیں کہ "احوال شریفہ کا اشتیاق ہے اور باوجود ان کے سامان ہونے کے ان سے محرومی ہے" اس جواب سے ان کی تشفی نہ ہوئی۔ لوگوں نے کہا آپ کے نزدیک کیا مقصود ہے فرمایا۔ یہ مراد ہے کہ حالات کے درمیان رکھ۔ اور کرامات مرحمت کر مگر اصل حقیقت سے کچھ نہ عطا کر۔

شہباز منازل طریقت حضرت مخدوم علی ہجویری ثم الاہوری ملقب بہ حضرت

داتا گنج بخش صاحب مرحوم اپنی لاجواب و بے مثال کتاب کشف المحجوب میں جہاں حج کے کشف کا ذکر ہے فرماتے ہیں۔

میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ اللہ کا ایک بندہ کعبۃ اللہ کے سامنے بیٹھا ہوا زار زار رو رہا تھا۔ اور اسی حالت گریہ وزاری میں مندرجہ ذیل اشعار پڑھکر سامعین کے دلوں کو ہلا رہا تھا ؎

أَصْبَحْتُ يَوْمَ النَّحْرِ وَالْعِيسُ تَرْحَلُ — وَكَانَ حَدِيَ الْحَادِي يُنَادِي وَهُوَ مُعَجَّلُ

أَنَا سَائِلٌ عَنْ سَلْمٰى فَعَلَ مِنْ مُخْبِرٍ — بِأَنَّ لَهُ عِلْمًا بِهَا أَيْنَ تَنْزِلُ

لَقَدْ رُفِضَتْ حَجِّي وَنُسُكِي وَعُمْرَتِي — وَفِي الْبَيْنِ لِي شُغْلٌ عَنِ الْحَجِّ مُشْغِلُ

سَأَحُجُّ مِنْ عَامِي لِحِجَّةٍ قَابِلٍ — فَإِنَّ الَّذِي قَدْ كَانَ لَا يُتَقَبَّلُ

ترجمہ صبح کی میں نے قربانی کے دن۔ حالانکہ سپید اونٹ کوچ کرتے تھے۔ اور حدی خواں آواز دیتا۔ اور جلدی کرتا تھا۔ میں سلمیٰ کی بابت سوال کرتا ہوں۔ کیا کوئی ایسا مخبر ہے کہ اس کو اس کے نزول (قیام گاہ) کا علم ہو تحقیق میرا حج اور میری عمرہ ضائع گئے۔ کیونکہ میں نے ان (حج اور عمرہ) کو جدائی کا شغل بنالیا تھا۔ قریب ہے کہ میں حج کے لئے آئندہ پھر آؤں۔ مگر تحقیق وہ بھی قبول نہیں ہوگا

حضرت مخدوم علی ہجویری کشف المحجوب کے باب بست ونہم مراتب و حقیقت سماع میں لکھتے ہیں۔ کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک درویش کو دیکھا ہے جو آذربائیجان کے پہاڑوں میں نہایت مغموم لہجہ سے یہ اشعار پڑھ رہا تھا اور سوز وگداز کا ایک پتلا معلوم ہوتا تھا۔

وَاللّٰهِ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ — إِلَّا وَأَنْتَ مِنْ قَلْبِي وَسْوَاسِي

وَلَا جَلَسْتُ إِلٰى قَوْمٍ أُحَدِّثُهُمْ — إِلَّا وَأَنْتَ حَدِيثِي بَيْنَ جُلَّاسِي

وَلَا ذَكَرْتُكَ مَحْزُونًا وَلَا طَرِبًا — إِلَّا وَحُبُّكَ مَقْرُونٌ بِأَنْفَاسِي

وَلَا هَمَمْتُ بِشُرْبِ الْمَاءِ مِنْ عَطَشٍ — إِلَّا رَأَيْتُ خَيَالًا مِنْكَ فِي الْكَاسِ

فَلَوْ قَدَرْتُ عَلَى الْإِتْيَانِ زُرْتُكُمْ — سَحْبًا عَلَى الْوَجْهِ أَوْ مَشْيًا عَلَى الرَّاسِ

خدا کی قسم نہیں طلوع ہوا آفتاب اور نہیں غروب ہوا ۔ مگر مجھے ہمیشہ تیری ہی دُھن لگی رہی ۔ اور تو میرے دل میں جاگزیں رہا ۔ اور نہیں بیٹھا میں کسی قوم میں اُن سے باتیں کرنے کو ۔ مگر تو ہی ہم نشینوں میں میرا مدعائے سخن رہا ۔ (یعنی دوستوں کی مجلس میں بھی جب میں تیرے ذکر و فکر سے غافل نہیں ۔ تو خلوت میں تو تو ہی تو ہے) میں نے غمی اور خوشی کی حالت میں بھی تیری یاد کی قربت دور نہیں کی پیاس کی حالت میں بھی جب کبھی پانی پینے کا قصد کیا ہے ۔ تو اس میں تیرا ہی عکس دیکھا ہے اگر مجھے کسی طرح تیرے پاس پہنچنے کی قدرت حاصل ہوتی ۔ تو میں سر اور آنکھوں کے بل زیارت سے مشرف ہوتا ۔ جب وہ درویش ان اشعار کو ختم کر چکا ۔ تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا ۔ اور وہیں اسی حالت میں اس نے جان دے دی ۔

صاحب کشف المحجوب نے باب السماع میں اور بھی کئی ایسے واقعات لکھے ہیں منجملہ ان کے دو واقعات حسب ذیل ہیں ۔

فرماتے ہیں بزرگوار مشائخ میں سے ایک مشائخ کہتا ہے میں ایک درویش کے ساتھ بغداد میں جا رہا تھا ۔ کہ ایک مقام پر ایک گانے والے کو میں نے یہ گاتے سنا ۔

منی ان تکن حقا یکن احسن المنی   والا فقد عشنا بھا زمنا رغدا

جب سماع راستبازی (حقانیت) کے ساتھ ہو ۔ تو سب مرادوں سے بہترین مراد ہے ۔ ورنہ یوں تو ہم نے بھی کچھ زمانہ سماع میں زندگی بسر کی ہے ۔

درویش یہ نغمہ سنکر بے تاب ہو گیا ۔ ایک نعرہ مارا ۔ اور دُنیا سے گذر گیا ۔

ابراہیم خواص ایک شخص کے ساتھ پہاڑ پر جا رہے تھے ۔ ہمراہی صاحب دل تھا ۔ راہ میں اس کو ایک کیفیت پیدا ہوئی ۔ اور وہ خوشی میں آکر یہ شعر بلند آواز اور مستانہ لہجہ سے پڑھنے لگا ۔

صح عند الناس انی عاشق غیر ان لم یعرفوا عشقی لمن
فی الانسان شیئ حسن الامر احسن منہ الصوت

لوگوں میں میرا عاشق ہونا مسلّم ہے۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ میں کس کا عاشق ہوں۔ انسان میں کئی ایک اچھی چیزیں ہیں خبردار رہ۔ کہ ان میں سب سے زیادہ خوبصورت اچھی آواز ہے۔ ابراہیم غواص رح نے یہ اشعار دوبارہ پڑھنے کو کہا چنانچہ پڑھے گئے۔ ابراہیم رح نے وجد کے حکم کے موافق چند قدم زمین پر مارے ہمراہی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ ان کے قدم پتھر میں دھس جاتے۔ آخر وہ بیہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو عجیب و غریب نکات و اسرار بیان کرتے تھے

۸ سنہ ھجری میں مکہ فتح ہوا۔ دس ہزار آدمیوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے دیکھا کہ عورتیں اپنے دوپٹوں سے گھوڑوں کے منہ کا گرد و غبار پاک کر رہی ہیں۔ آپ نے بیخود ہو کے حضرت ابوبکر صدیق کو فرمایا۔ حسان بن ثابت نے اس موقعہ کے لئے جو اشعار کہے ہیں وہ پڑھو۔ چنانچہ حضرت کے حکم سے ابوبکر صدیق رض نے یہ اشعار پڑھے ؎

ثکلت بنیتی ان لم تروھا تثیر النقع غایتھا کداءُ
یُبَارِینَ الاعنۃ مُصْعِدَاتٍ علی اکتافھا الاسَلُ الظِماءُ
تظلّ جیادُنا متمطّراتٍ تلطمھنّ بالخمر النساءُ

ترجمہ۔ میری سواریاں ہلاک ہوں۔ اگر تم ان کو وادی کدا کی انتہا پہ غبار اڑاتے نہ دیکھو۔ اور سانڈنیاں باگیں اٹھائے ہوئے اور زور کرتی ہوئی اوپر چڑھیں گی۔ ان کے کندھوں پر خون کے پیاسے برچھے دھرے ہونگے ہمارے گھوڑے باہم سبقت کرتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔ اور عورتیں اپنے دوپٹوں سے ان کے منہ پونچھ رہی ہونگی۔ اشعار سن کر آنحضرت صلعم نے اپنی کمال مسرت کا اظہار کیا۔ اور فرمایا ہم وہیں سے مکہ میں داخل ہوں گے جہاں سے حسّان نے بیان کیا ہے۔ (شمس التواریخ حصہ دوم صفحہ ۱۶۶)

بحرین میں دو فرقے تھے۔ بنی عبد القیس اور بنی بکر منذر بن ساوی حاکم بحران کے مرنے کے بعد بنی بکر مرتد ہو گئے۔ بنی بکر نے عجم کے بادشاہ سے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیئے مدد مانگی۔ چنانچہ فریقین جی کھول کر لڑے چند ابتدائی فتوحات کے بعد بنی عبد القیس قلعہ بند ہو گئے۔ مرتدوں نے چاروں طرف گھیرا ڈال لیا۔ جب قلعہ والے آذوقہ سے تنگ ہوئے تو ان میں سے ایک نے یہ اشعار لکھ کر قاصد کے ہاتھ مدینہ بھیجے ؎

الا ابلغ ابا بکرٍ رسولا	وفتیان المدینۃ اجمعینا
فھل لکم الی قوم کرام	قعود فی جواثی محصرینا
کان دماءھم فی کل فج	شعاع الشمس تغشی الناظرینا
توکلنا علی الرحمن انا	وجدنا النصر للمتوکلینا

ترجمہ۔ اے قاصد ابو بکر صدیق اور مدینہ کے سب جوانوں کو خبر کر دے کہ جو لوگ (قلعہ) جواثی میں محصور ہیں۔ ان کا تمہیں کچھ خیال ہے کہ نہیں ان کا خون سورج کی شعاعوں کی طرح سارے راستوں میں پھیلا ہوا دیکھنے والوں کی نظروں کو چوندھیا رہا ہے۔ ہم خدا پر تکیہ کئے بیٹھے ہیں۔ اور اسی پر توکل کرنے والوں کو مدد ملتی ہے۔ شمس التواریخ حصہ دوم میں جس کا نام خلافت صدیق ہے۔ لکھا ہے کہ جناب صدیق اکبر ان اشعار کو پڑھتے ہی بے چین ہو گئے۔ اور درد دل سے بیتاب ہو کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور اسی وقت علاء بن الحضرمی کو جرار فوج دے کر روانہ کیا۔ چنانچہ آخر کئی لڑائیوں کے بعد بحرین میں لشکر اسلام کو فتح حاصل ہوئی۔

لے بحرین کے لوگ عہد نبوی میں مسلمان ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علاء بن الحضرمی کو دعوت اسلام کے لیئے روانہ کیا تھا۔ سنہ ۸ھ میں جب حضور صلعم نے وصول صدقات کیلئے اپنے عامل چاروں طرف بھیجے تو علاء رض کو بحرین کا عامل کر دیا وہ بحرین ہی میں تھے کہ رسالتماب صلعم کا انتقال ہو گیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد منذر بن ساوی حاکم بحرین جو مسلمان تھا مر گیا۔ اور اس کے مرتے ہی بحرین والے مرتد ہو گئے (شمس التواریخ حصہ دوم صفحہ ۱۳۵)

ضرار نے رومیوں سے جو جنگ کی ہے۔ اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو خالد بن ولید کے کارناموں میں دیکھو۔ یہاں صرف وہ شعر لکھا جاتا ہے۔ جو ضرار بن الازور کو جوش اور وجد میں لاتا تھا۔ اور جسے پڑھتے ہوئے وہ رومیوں کی جماعت کو چیرتے پھاڑتے ان کے لشکر میں گھس گئے تھے ؎

الموت حق این لی منہ مضرا جنت الفردوس خیر من سقرا

یعنی موت برحق ہے۔ میرے لئے اس سے فرار کی جگہ کہاں۔ اے دل۔ دوزخ سے بہشت بہر حال بہتر ہے۔

ضرار کئی رومیوں کو تہ تیغ کرنے کے بعد خود زخمی ہو کر گرفتار ہو گئے۔ ان کی مدد کے لئے خالد بن ولید خود آئے۔ اسی لشکر میں ضرار کی بہن خولہ بھی رومیوں کے لشکر کو چیرتی پھاڑتی دائیں بائیں لڑتی پھرتی تھی۔ اور جن شعروں سے اپنے اور لشکر اسلام کے دلوں کو گرماتی۔ اور مرنے مارنے پر جان بکف کرتی تھی۔ وہ یہ ہیں۔ ؎

این الضرار لا ارالا یوے ولا ارائشہی و قومے

یاد احدی یا ابن امے کدرت عیشی واذلت نومے

یعنی اے ضرار تم کہاں ہو۔ میں آج تمہیں نہیں دیکھتی میرے اقربا اور میری قوم تمہارے نہ دیکھنے سے بیقرار ہے اے میرے اکلوتے بھائی اور اے میرے ماں جائے تم نے میرے آرام کو مکدر کر دیا۔ اور نیند کو میری آنکھوں سے اڑا دیا ہے۔

جناب خولہ کے ان پُردرد اشعار سے مسلمانوں کے سینے شق ہوتے جاتے تھے۔ لشکر اسلام نے آخر جی توڑ کر حملہ کیا۔

مسلمان اس حملہ میں غالب تو رہے۔ لیکن رومی ضرار کو لے کر بھاگ گئے حضرت خالد بن ولید نے رافع بن عمیرۃ الطائی کو سو سوار دیکر تعاقب کے لئے بھیجا۔ ضرار کی بہن خولہ بھی ہمراہ ہو گئی۔ سلمیہ (ایک مقام) کے [illegible] پہنچے

تھے کہ خولہ کو یہ دردناک اشعار سنائی دیئے۔

الامبلغا قومی وخولہ اننی　　اسیر من موثق الیہ ما لقد

وحولی علاج الشام من کل کافر　　فما منہم الا محصن بالشدد

یا قلب متغماد وحزنا وحسرۃ　　ویا دمعتے جودی بفیض علی قد

ترا ان اری اھلے وخولہ مرۃ　　واذکر ما لنا علیہ من العھد

یعنے اے خبر پہنچانے والے میری قوم اور خولہ کو آگاہ کردے کہ تحقیق میں قید میں ہوں۔ اور بالکل جکڑا ہوا اور بے بس ہوں۔ گرد میرے شام کے کافر (گبر) ہیں۔ اور جتنے ہیں سب زرہ پہنے ہوئے اور مسلح ہیں۔ پس اے دل مرجاہے۔ تجھ کو کہ تو ایسے غم اور اتنی حسرت برداشت کر رہا ہے۔ اور اے آنسو جوانمردی کر اور فیض کے ساتھ میرے رخساروں پر جاری ہو جا۔ کیا تو چاہتا ہے کہ میں اپنے اقربا اور خولہ کو ایک بار اور دیکھ لوں۔ اور اپنے حال زار کو ان سے بیان کروں۔

یہ اشعار سنکر خولہ کا دل بلیتوں اچھل گیا۔ بیخود ہو کر تکبیر کہی۔ اور بیتاب ہو کر حملہ کر دیا۔ پیچھے سے ساتھی بھی اللہ اکبر کے نعرے مارتے ہوئے آگئے۔ اور آخر بہن بھائی سے مل گئی۔ اور شاہ ہرقل والئ روم کے لشکر میں قتل عام ہو گیا۔

خالد بن ولید۔ ضرار اور عبیدہ لڑائی سے فارغ ہو کر دمشق کی راہ واپس جارہے تھے کہ ہرقل شاہ روم نے مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے کمک بھیجی بولص اور بطرس ان فوجوں کے کمانڈر تھے۔ بطرس نامرد نے دس ہزار پیدلوں کی جمعیت سے مسلمان عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ اور دمشق میں پہنچنے کے لئے نہر استریاق کے کنارے مقیم ہو گیا تاکہ اپنے بھائی بولص کا حال معلوم کرے۔

ان عورتوں میں ضرار کی بہن خولہ بھی تھی بطرس نے عورتوں کو اپنے سامنے طلب کیا۔ خولہ کو سب سے زیادہ حسین دیکھ کے کہا یہ تو میرا مال ہے اس کی طرف کوئی بری نگاہ سے نہ دیکھے۔ باقیوں سے تم لوگ اپنے لئے کوئی پسند کر لو یہ سب عورتیں فنون جنگ سے خوب واقف تھیں۔ دمشقیوں کے

یہ بُرے ارادے دیکھکر وہ سب ایک جگہ جمع ہوئیں۔ اور خولہ کو سردار بنایا۔ اس نے ایک اشتعال انگیز تقریر کی۔ اور خیموں کی چوبوں اور بانسوں اور ڈنڈوں ہی سے حملہ کر دیا کہ اپنی ناموس بچائیں۔ یا اسی جگہ خاک و خون ہو جائیں۔

جب بطرس کا لشکر سامنے آیا تو خولہ نے ایک کڑکتی اور گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔ ؎

نحن بنات تبع وحمیر ۔۔۔ وضربنا فیکم لیس منکر

لانّنا فی الحرب نار تسعر ۔۔۔ الیوم تلقون العذاب الاکبر

یعنے ہم تبع و حمیر کی بیٹیاں ہیں۔ اور ہمارے ہاں تمہارا مارنا بڑے ثواب کی بات ہے۔ اسی لئے ہم لڑائی میں خوب دھکتی ہوئی آگ کی مانند ہو جاتی ہیں اے ملعونو یاد رکھو آج تم بڑے عذاب میں ڈالے جاؤ گے۔

عورتوں نے اپنے سردار کا یہ غصہ اور جوش سے بھرا ہوا کلام سنکر ایک جگر دوز حملہ کیا اسی حالت میں جناب خالد جو دمشق ہی کی طرف آرہے تھے مع اپنے لشکر کے پہنچ گئے۔ اور اس سے حملہ کیا کہ رومی بھاگے۔ اور مسلمانوں نے تا دمشق ان کا پیچھا کیا

شمس التواریخ حصہ چہارم میں صفحہ ۲۷۳ پر حضرت عثمان ذو النورین کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ یہ دو شعر اکثر پڑھا کرتے تھے۔ اور ان سے نہایت متاثر ہوا کرتے تھے ؎

تفنی اللذاذۃ ممن نال صفوتھا ۔۔۔ من الحرام ویبقی الاثم والعار

یلقی عواقب سوء من مغبتھا ۔۔۔ لا خیر فی لذۃ لبعدھا النار

ترجمہ۔ حرام کی لذت اور مزہ جو شخص مرتکب حرام ہو۔ اس سے تھوڑی دیر میں فنا اور نابود ہو جاتے ہیں۔ اور گناہ۔ عار اور ندامت باقی رہ جاتے ہیں۔ وہ شخص لذت چلے جانے کے بعد انجام اور نتیجہ بد کو پاتا ہے۔ ایسی لذت میں کیا خیر و برکت ہے جس کے بعد آتش دوزخ ہو۔ شمس التواریخ میں بحوالہ مروج الذہب یہ بھی لکھا

ہے کہ یہ شعر آپ ہی کے طبعزاد بھی معلوم ہوتے ہیں۔

خلافت فاروقی کی شجاعانہ فتوحات کی ابتدا ہے۔ ۲۱ھ میں حضرت قعقاع اور حضرت سعد ایرانیوں سے نبرد آزما ہیں۔ لڑائی زور شور سے جاری تھی۔ کہ ایک قیدی ابو محجن ثقفی نے جو ہر چند بڑا بہادر اور نامی شاعر تھا۔ مگر شراب پینے کے جرم میں قید تھا۔ قیدخانہ کی کھڑکی سے لڑائی کا نظارہ دیکھا۔ حضرت سعد تو میدان جنگ میں تھے۔ ان کی بی بی سلمیٰ سے کہا "میری رگ و پے میں اس وقت خاص اثر ہو رہا ہے۔ خدا کے لئے مجھے رہائی دیدو۔ اگر زندہ رہا تو اپنے ہاتھ سے آ کر بیڑیاں پہن لونگا۔ اور اگر مارا گیا تو سمجھنا کہ بلا ٹل گئی" مگر سلمیٰ نے نہ مانا آخر اس نے نہایت حسرتناک بلکہ تڑپا دینے والے لہجہ میں یہ اشعار پڑھے ؎

کفی حزناً ان تردی الخیل بالقنا | واترک مشدوداً علیّ وثاقیا
اذا قمت عنانی الحدید واغلقت | مصاریع من دونی تصم المنادیا

ترجمہ۔ اب اس سے بڑھ کر اور کیا غم ہو گا۔ کہ سوار تو نیزہ بازیاں کر رہے ہیں اور میری یہ حالت ہے کہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں جب اٹھنا چاہتا ہوں۔ تو زنجیر اٹھنے نہیں دیتی۔ اور اس طرح دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک کر گونگا ہو جاتا ہے۔

ان شعروں نے ابو محجن پر تو جو اثر کیا وہ کیا۔ لیکن سلمیٰ بھی بے تاب ہو گئی۔ اور اس نے اسی بیخودی میں خود اس کی بیڑیاں کاٹ دیں۔ اور حضرت سعد کی خاص سواری کا گھوڑا انہیں دیا[1]۔ ابو محجن نے پہلے میمنہ اور پھر میسرہ پر اس زور سے حملہ کیا۔ کہ جدھر نکل گیا صفیں کی صفیں صاف کر گیا۔ اور آخر بعد میں سعد نے اس کو رہائی بھی دیدی۔

حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں ۱۸ھ میں سرزمین عرب قحط اور طاعون کا شکار ہو رہی تھی۔ حضرت عمر رض حضرت عباس رض کو ہمراہ لے کر مدینہ

[1] شمس التواریخ حصہ دوم خلافت فاروق اعظم صفحہ ۹۰ بحوالہ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۳۰۔

منورہ سے باہر ایک میدان میں نماز استسقا کے لئے گئے۔ تمام اہل مدینہ ہمراہ تھے۔ نماز کے بعد اللہ تعالےٰ سے گڑ گڑا کر دعا مانگی۔ اور کہا اے اللہ تیری درگاہ پاک میں تیرے حبیب پاک کے عم بزرگوار یعنے حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنا کر لائے ہیں۔ اپنے رسول کے چچا کے طفیل اُمت محمدی کو محفوظ رکھ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دعا مانگ رہے تھے۔ اللھم انت الراعی فلا تھمل الضالۃ ولا تدع الکسیر بدار مقیعۃ فقد صرخ الصغیر ورق الکبیر وارتفعت الشکوی وانت تعلم السر واخفی اللّٰھم فاغنھم بغناک قبل ان یقنطوا فیھلکوا انہ لا یایئس الا القوم الکافرون ۔

ترجمہ اے پروردگار اس ریوڑ کا تو ہی رکھوالی ہے۔ اب تو چھوٹے بڑے سبھی فریاد کر رہے ہیں۔ ایک شور برپا ہو رہا ہے۔ اور تو تو پوشیدہ سے پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے۔ اپنی غنا سے ان کو غنی کر دے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ ناامید ہو کر ہلاک ہو جائیں۔ ناامید تو بس کافر ہوتے ہیں حضرت عباسؓ کی یہ حالت تھی کہ یہ دعا پڑھتے جاتے تھے۔ اور روتے جاتے تھے یہاں تک کہ تمام داڑھی تر ہو گئی۔ اللہ تعالےٰ نے بھی دعا قبول فرمائی۔ اور لوگوں کے گھروں تک پہنچنے سے پہلے ہی بارش شروع ہو گئی [1]۔

---

[1] شمس التواریخ حصہ سوم صفحہ ۲۲۳

حصّۂ سوم

پیامِ وصال

حضرت صدیق اکبر خلیفہ اول کا انتقال ۲۲ جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ مطابق سنہ ۶۳۴ء کو ہوا ہے۔ دم واپسین یہ الفاظ آپ کے منہ سے نکلے "اللّٰھم توفنی مسلماً و الحقنی بالصالحین" یعنی اے اللہ اپنی فرمانبرداری کی حالت میں مجھے مار دیو۔ اور مرنے کے بعد اپنے نیک بندوں میں شامل کیجیو ۱؎

حضرت عمر فاروق رضؓ نے سنہ ۱۷ھ میں اپنے عہد خلافت میں بہت سے قلعے فتح کیے منجملہ ان کے ایک قلعہ راس العین بھی تھا۔ حضرت عیاض بن غنم اس معرکہ کے سرلشکر تھے۔ ان کے ماتحت حضرت جلیل اعلیٰ درجہ کے تیرانداز تھے۔ انہوں نے تاک تاک کر افسر ہی افسر گرائے۔ وہ شہادت کے نعروں میں تیراندازی کر رہے تھے کہ ایک پتھر ان کے سر پر لگا جس سے وہ بیہوش ہو گئے۔ اور جب ہوش آیا تو یہ شعر پڑھے ؎

ایا رافع ہلا حملت رسالتی — مخبرۃ انی لقیت حمامی

ترجمہ۔ اے رافع (نام چچا زاد بھائی کا) تم میری موت کی خبر کا پیغام کیوں نہیں پہنچا دیتے ؎

وان جئت امی واخوتی وعشیرتی — فخبرہم عنی بکل سلامی

ترجمہ اگر تم میری ماں بہنوں اور اقربا کے پاس جاؤ تو سب سے جدا جدا میرا سلام کہنا ؎

وان سألت عنی العجوز فقل لہا — قتیل احجار لا قتیل سہامی

ترجمہ۔ اگر میری بوڑھی ضعیفہ میری بابت دریافت کرے تو کہہ دینا کہ وہ پتھروں سے مارا گیا ہے۔ گشتۂ تیر نہیں ہے ؎

۱؎ خلافت صدیق (شمس التواریخ)

طریحاً بباب الحصن لما نط ئرت | من الحجر الصد الاصم عظامی

ترجمہ۔ دروازہ قلعہ پہ اس حال میں پڑا ہے کہ سخت پتھروں سے اس کی ہڈیوں کے پرزے ہو گئے ہیں ۵

ولست ابالالی ان قتلت لا تنی | ارجو لقتبلی فی الجنان سقامی

ترجمہ۔ مجھے اپنے مارے جانے کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ میں جانتے ہوئے ہوں کہ میں اس شہادت سے سیدھا جنت میں جاؤں گا۔

ان شعروں کے بعد اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اور جو آخری لفظ اس کی زبان سے نکلے وہ یہی اشعار تھے[1]

۲۶۔ ذی الحجہ ۲۳ھ مطابق ۶۴۴ء کا دن مسلمانوں کے لئے نہایت بدنصیبی کا دن تھا۔ ایک شقی القلب ایرانی غلام (ابولولو) نے فجر کی نماز کے دوران میں حضرت عمر فاروقؓ کو تلوار سے سخت زخمی کر دیا۔ دوسرے دن ۲۷ ذی الحجہ کو چہارشنبہ کے دن آپؓ نے وفات پائی۔ روایت ہے کہ جب فاروق اعظمؓ نے وفات پائی تو اُس وقت آپ نحیف اور کمزور آواز سے کلمہ کا ورد کر رہے تھے۔ اور کبھی کبھی یہ شعر عربی کا پڑھتے تھے ۵

ظلومٌ لنفسی غیر انی مُسلمٌ | اصلی الصلوٰۃ کلھا واصومُ

یعنے۔ اگر میں مسلمان نہ ہوتا تو میرے نفس کے لئے بڑی مشکل ہوتی۔ مگر میں نے تمام نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے ہیں۔

اسی حال میں ان کی روح پاک نے قفس عنصری سے پرواز کی۔ اور اس دارفانی سے بہشت بریں کو سدھاری انا للہ انا الیہ راجعون (شمس التواریخ حصہ سوم صفحہ ۱۱۹۹)

حضرت ابوبکر شبلیؒ کے متعلق تذکرۃ الواصلین، سوانح ابوبکر شبلی اور دیگر کتابوں میں لکھا ہے کہ جس رات حضرت ابوبکر شبلی کا انتقال ہوا ہے تو ساری رات آپ

[1] شمس التواریخ حصہ سوم خلافت فاروق صفحہ

یہی دو اشعار پڑھتے رہے ؎

کُل بَیتٍ اَنتَ ساکِنُہ غیرُ محتاجٍ اِلی السراج
وَجہکَ المامُول حُجتنا یَومَ یاتی الناس بِالحُجج

یعنے ہر مکان جس کا رہنے والا تو ہو۔ اس میں چراغ روشن کرنے کی ضرورت نہیں۔ تیرا چہرہ جو لوگوں کی امیدگاہ ہے۔ ہماری دلیل ہوگا جس دن کہ لوگ اپنی اپنی دلیلیں لا کے پیش کرینگے۔

جب نزع کا عالم طاری ہوا۔ تو لوگوں نے کہا کہئے لا اِلٰہ الا اللہ فرمایا ؎

قال سلطان حبہ انا لا اقبل الرشا فسلوہ لِمَ بقتلی تحرشا

اس کی محبت کے سلطان نے کہا کہ میں رشوت قبول نہیں کرتا۔ اس کے حق کا واسطہ دلا کے اس سے پوچھو کہ پھر میرے قتل کے بارے میں کیوں لوگوں کے کہنے میں آگیا۔

ابوعلی رودباری چوتھے طبقہ کے صوفیا میں گذرے ہیں۔ آپ کا نسب قصرو کسریٰ تک پہنچتا ہے۔ حضرت جنیدؒ کی ایک نگاہ کرم سے مال ومنال سب ترک کر دیا۔ اور طریقۂ صوفیا کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جب آپ کا اخیر وقت آیا تو آپ کی زبان پر یہ شعر جاری تھا[1] ؎

وحقک لا نظرت الی سواک بعین سودۃ حتی اراک

یعنے تیرے حق کی قسم میں نے تیرے سوا محبت کی آنکھ سے اور کسی کو نہیں دیکھا اور نہیں دیکھتا جب تک کہ تجھے نہ دیکھ لوں۔ آپ کی وفات ۳۲۱ھ میں ہوئی ہے

خواجہ بہاؤ الحق والدین النقشبند عرف خواجہ مشکل کشا نے جن کی وفات ۷۹۱ھ میں بخارا میں ہوئی ہے۔ فرمایا ہے کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کے جنازہ کے سامنے کونسی آیت پڑھیں۔ فرمایا آیت پڑھنی تو

[1] نفحات الانس

بڑا کام ہے۔ یہی شعر پڑھ دینا۔ جو ہماری زبان کا ورد رہا ہے ؎

چیست ازیں خوبتر در ہمہ آفاق کار　　دوست رسد نزد دوست یار بنزدیک یار

پھر فرمایا یہ شعر بھی پڑھنا جس نے مرتے دم تک ساتھ دیا ہے ؎

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو　　شیئاً للہ از جمال روئے تو

حضرت بہاء الدین سلطان ولد مولانا جلال الدین رومی کے برگزیدہ صاحبزادہ تھے۔ جب ان کا ۱۰ رجب ۷۱۲ھ کو انتقال ہوا۔ تو وفات سے پہلے ساری رات یہ شعر پڑھتے رہے ؎

امشب شب آنست کہ بینم شادی　　دریابم از خدائے خود آزادی

شیخ فخرالدین ابراہیم عراقی کا جن کا دیوان بھی بہت مشہور ہے۔ اور سلطان مصر جن کے ارادتمندوں میں تھا　ایک بیٹا تھا کبیرالدین نام جو ملتان میں رہتے تھے۔ وہ آپ کے پاس پہنچے۔ ان دنوں شیخ عراقی کا قیام دمشق میں تھا جب نزع کا وقت قریب آیا تو صاحبزادہ کو اور دیگر اصحاب کو بلایا وصیتیں کیں۔ اور یہ رباعی پڑھتے ہوئے جان بحق تسلیم ہو گئے ؎

در سابقہ چوں قرار عالم دادند　　مانا کہ نہ بر مراد آدم دادند

زاں قاعدہ و قرار کاں روز فتاد　　نہ بیش بکس قسمت و نہ کم دادند

آپ کی وفات ۸ ذیقعد ۶۸۸ھ کو ہوئی مزار دمشق ہی میں ہے۔

ذوالنون مصری سے مرض الموت کے وقت پوچھا گیا کیا خواہش ہے۔ فرمایا ؎

الخوف امرضنی والشوق احرقنی　　والحب افنانی واللہ احیانی

ترجمہ۔ خوف نے مجھکو بیمار کر دیا۔ اور شوق نے جلا دیا۔ اور عشق نے مجھے فنا کر دیا اور اللہ نے مجھے زندہ کیا۔

آپ سے وصیت کی فرمایش کی گئی۔ کہا اب میری توجہ کو نہ ہٹاؤ۔ اس کے بعد وفات پا گئے ؎

؎ تذکرۃ الاولیا مصنفہ مولانا فرید الدین عطار۔

سلطان محمد شاہ تغلق (۷۲۵ھ لغایت ۷۵۲ھ) دیپال پور اور ملتان سے ہو کر ٹھٹھہ (سندھ) میں قوم سومرہ کے استیصال کے لئے روانہ ہوا۔ بادشاہ کی طبیعت کچھ اچھی نہ تھی۔ اس کو بخار سے چندہی دن ہوئے آرام ہوا تھا۔ علاقہ سندھ میں ایک مرتبہ مچھلی کھائی۔ اس سے بخار پھر پیدا ہو گیا۔ اور آخر ٹھٹھہ میں ۲۱ محرم ۷۵۲ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۳۵۱ء کو اجل کا حکمنامہ آپہنچا۔ رفتہ تھا۔ اور یہ شعر پڑھتا تھا[۱]؎

بسیار دریں جہاں چمیدیم — بسیار نعیم و ناز دیدیم
اسپان بلند برنشستیم — ترکان گراں بہا خریدیم
کردیم بسے نشاط آخر — چوں قامتِ ماہِ نو خمیدیم

آخری شعر پہ وہ رقت طاری ہوئی کہ دم دم واپسیں ہو گیا۔ اس سے پہلے حالت بیماری میں ملک فیروز شاہ کو (جو بعد میں سلطان فیروز شاہ تغلق کے نام سے مشہور ہوا) مخاطب کر کے یہ شعر کہا تھا؎

تو سرسبز باشی بہ شاہنشہی — کہ من کردہ ام سر ز بالین تہی

حضرت شاہ غوث علی قلندری پانی پتی نے اپنی وفات سے سات ماہ پہلے ان اشعار کو پڑھنا شروع کیا؎

درخت خشکم و امید برگ و بارم نیست — بغیر سوختن اے وائے ہیچ کارم نیست
چو عنکبوت بدیوار و در نمے بازم — بنائے خانہ ہنی چو استوارم نیست

وفات سے ایک ماہ بیشتر جبکہ اکثر خدام اور ارادتمند بوجہ علالت و ضعف آپ کی زیست سے مایوس ہو رہے تھے۔ آپ ان اشعار کو اکثر پڑھا کرتے تھے؎

پیری میں ہم کو یار نے گھر سے طلب کیا — افسوس بعد فصل بہار اپنے بر دکھ
دیکھا دم نزع دلارام کو — عید ہوئی ذوقی حلیشام کو

وفات سے چار دن پیشتر آیات کریمہ مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ

[۱] تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۱۳۹ مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب دہلوی مرحوم

اَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْكَانُوْا يَعْلَمُوْنَ" اور "وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ" تا دیر پڑھاتے اور سنتے رہے۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۲۹۷ھ یعنے وفات سے صرف ایک دن پہلے صبح کے وقت شیخ سعدی کے یہ دو شعر پڑھے ؎

شنیدم کہ جمشید فرخ سرشت　　بسر چشمۂ بر بسنگے نوشت
بریں چشمہ چوں ما بسے دم زدند　　برفتند چوں چشم برہم زدند

اسی دن کی شام کو نماز ظہر آپ نے چارپائی پر ہی ادا فرمائی۔ اور فرمایا الحمد للہ اور پھر یہ شعر پڑھا ؎

چیست توحید آنکہ از غیر خدا　　فرد آئی در خلاؤ در ملا

آخر رات کے دس بجے نہایت الوصال کا پردہ درمیان سے اُٹھ گیا یعنے آپ انتقال فرما گئے۔ مزار آپ کا پانی پت میں مرجع خلائق ہے۔

سلطان محمود غزنوی کے عہد حکومت میں حکیم سنائی غزنوی جو یوسف ہمدانی کے مریدوں میں تھے۔ ایک بہت بڑے صوفی شاعر گذرے ہیں۔ جب ان کی حالت بدل گئی تو گوشہ نشینی اختیار کر لی یہاں تک کہ ایک امیر کبیر نے ملنے کی خواہش ظاہر کی آپ نے کہلا بھیجا کیوں اس فقیر گوشہ نشین کا سامان عافیت خراب کرنے کے لئے آتے ہو۔ مولانا روم نے بھی اپنی مثنوی میں حکیم سنائی کا ذکر کیا اور لکھا ہے کہ خواجہ حکیم سنائی جب نزع کی حالت میں تھے تو آہستہ آہستہ کچھ پڑھ رہے تھے جب حاضرین نے ان کے منہ کے پاس کان رکھے تو یہ شعر سنا گیا ؎

بازگشتم زانچہ گفتم زانکہ ہست
در سخن معنے و در معنے سخن

اس کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ سنہ انتقال نفحات الانس میں ۵۲۵ھ لکھا ہوا ہے

حضرت پیر روشن شاہ صاحب (ساکنہ پنج گرائیں ضلع سیالکوٹ) جو آلو مہاروی سلسلہ میں ایک نامور خلیفہ گذرے ہیں۔ اور جن کا کچھ ذکر حصہ ششم میں بھی ہے۔ آپ درود شریف

پڑھتے ہوئے بستر سے اُٹھے۔ اور کسی قدر بلند آواز سے مگر جذبے کے ساتھ مولوی غلام رسول صاحب سکنہ قلعہ میہاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ کا یہ مشہور پنجابی شعر پڑھا ؎

صبا روضے رسول اللہ دے جائیں ۔۔۔ مرا احوال رو رو کے سنائیں

اے باد صبا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ پر جا۔ اور میرا حال زاران کی جناب میں رو رو کے سنا۔

یہ شعر آپ کا آخری کلمہ ثابت ہوا۔ اس کے بعد کسی سے کوئی کلام نہیں فرمایا۔ بلکہ خاموشی اختیار کر لی۔ اور جب لوگوں نے دیکھا تو آپ واصل بحق ہو چکے تھے۔

سلطان محمود کیسا باجبروت شہنشاہ تھا۔ سترہ دفعہ غزنی سے نکلا اور ہندوستان کو پامال کر کے اور بیشمار زر و جواہر اور لونڈی غلام لے کر واپس آیا۔ دیو اجل نے آخر ۲۳ ربیع الاول ۴۲۱ھ مطابق ۱۹ اپریل ۱۰۳۰ء میں عمر تریسٹھ سال آ دبوچا۔ اس کی وفات کے ذکر میں اس کی اپنی تصنیف سے یہ قطعہ تاریخ ہندوستان (مولوی ذکاء اللہ) میں دیکھا گیا ہے جس کو وہ بحسرت و افسوس پڑھا کرتا تھا ؎

ہزار قلعہ کشادم بیک اشارت دست ۔۔۔ بسے مصاف شکستم بیک اشارت پائے

چو مرگ تاختن آورد ہیچ سود نداشت ۔۔۔ بقا بقائے خدا است و ملک ملکِ بقائے

بہ تحقیق معلوم نہیں کہ انتقال کے وقت اس نے یہ قطعہ پڑھا یا نہیں لیکن اس کی وفات ہی کے ذکر میں چونکہ یہ درج ہے۔ اس لئے خیال ہے کہ یہ قطعہ جو حسرت و پشیمانی کا ایک مرقع ہے وہ ضرور پڑھتا ہوگا۔ ویسے بھی عبرت انگیز سمجھ کر درج کر دیا گیا ہے۔

شاہجہان صاحب قران کا انتقال ۲۶ رجب ۱۰۷۶ھ کو ہوا ہے اس وقت صرف ایک بیٹا تھا عالمگیر جس نے اسکے باقی بیٹوں اور اپنے بھتیجوں کو ٹھکانے لگا دیا تھا اور خود باپ کو آگرہ میں قید کر کے دہلی میں رہتا تھا۔ غرض اخیر وقت اس اولوالعزم شہنشاہ کے پاس صرف بیٹیاں ہی تھیں اس کا بستر مرگ نہایت حسرتناک ہے بیٹیوں سے آیات قرآنی پڑھوائیں۔ خود بھی کلمہ شہادت پڑھا۔ اور آخر آیہ ربنا آتنا فی الدنیا حسنة

وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار" پڑھکر دم دیا۔ یہ آخری کلمات تھے جو اس کی زبان سے نکلے[1]

عالمگیر کے عہد میں روح اللہ خاں میر بخشی کہ اُمرائے موروثی اور بادشاہ کے مزاج سے آشنا تھا سخت بیمار ہو گیا۔ بادشاہ خود اس کی عیادت کو گیا۔ اور اس کی مغفرت کے لئے دعا پڑھی۔ روح اللہ خاں نے فرطِ طرب سے بیخود ہو کر بطور اظہار شکر گذاری یہ شعر پڑھا ؎

چہ بناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے		کہ بوقتِ جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

اور وفات پا گیا تاریخ ہوئی روح در تن ملک نماند[2]

۱۰۰۳ھ کے اخیر میں فیضی کی طبیعت بے لطف ہوئی ضیق النفس (دمہ) تنگ کرنے لگا۔ موت سے چار مہینے پہلے یہ رباعی کہی ؎

دیدی کہ فلک بمن چہ نیرنگ کرد		مرغ دلم از قفس بد آہنگی کرد
آں سینہ کہ عالمے دروے گنجد		تا نیم نفس بر آورم تنگی کرد

یہ رباعی بار بار پڑھتا تھا۔ اور فلک کی نیرنگی دیکھکر سرد آہ بھرتا تھا۔

مرنے سے چھ دن پیشتر اکبر خود عیادت کو آیا فیضی بول نہیں سکتا تھا۔ بادشاہ نے آواز دی تو آنکھ کھولی۔ ہاتھ سے آداب بجا لایا۔ مگر زبان نے یارا نہ دیا۔ بادشاہ کچھ دیر ٹھہر کر اور اپنے دربار کی طوطیٔ ہزار داستان کا سکوت دیکھکر خلق آمیز خاموشی و تحیر کے ساتھ چلا گیا۔ زبان بند ہونے سے پہلے فیضی یہ شعر اکثر پڑھا کرتا تھا ؎

گر ہمہ عالم بہم آید بجنگ		بہ نشود پائے یکے مور لنگ

سر سید احمد خاں ۵ ذی الحجہ ۱۲۳۲ھ ہجری مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دلی میں پیدا ہوئے ۲۴ مارچ ۱۸۹۸ء کو بیمار ہوئے۔ ۲۶ کی شام کو علامات ردیہ ظاہر ہونے لگیں۔ ۲۷ مارچ کی صبح سے نہایت سخت درد سر لاحق ہوا۔ جو اس بات کی علامت

[1] ظفر نامہ شاہجہاں و تاریخ جلد ہفتم صفحہ ۵۲۲)
[2] بادشاہ نامہ عالمگیری (تاریخ ہندوستان جلد ہشتم) صفحہ ۲۰۵

تھی کہ یورک ایسڈ (Uric acid) دوران خون میں داخل ہو کر جلد جلد دماغ پر اپنا اثر کر رہا ہے - اسی دن شام کو شدید لرزہ کے ساتھ تپ چڑھی اور تھوڑی دیر میں ہذیان کی صورت پیدا ہو گئی - ان کی عادت تھی کہ ہمیشہ بیماری کی شدت میں "حسبی اللہ و نعم الوکیل" بار بار اور تکرار کے ساتھ پڑھا کرتے تھے - اس دفعہ بھی ہذیان کی حالت طاری ہونے سے پہلے قرآن شریف کی یہ دو آیتیں برابر ان کی زبان پر جاری ہیں -
(۱) حسبی اللہ و نعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر (۲) ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً - آخر رات کے دس بجے انتقال فرما گئے - ان آیتوں کے بعد کوئی بات جو سمجھ میں آئے - انکی زبان سے نہیں نکلی - [۱]

۲ شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ مطابق ۲۴ جولائی ۱۹۱۲ء کو قصبہ کیرت پور ضلع بجنور کی ایک مسجد (واقعہ محلہ نئی پورہ) میں مولوی سعادت حسین صاحب واعظ دہلوی وعظ فرما رہے تھے - مجلس وعظ میں لائق اور ذی علم اصحاب بھی کثیر تعداد میں موجود تھے - منجملہ انکے ایک بزرگ خانصاحب رجب علی خاں صاحب نقشبندی مجددی گورنمنٹ پنشنر جو عربی - فارسی اور انگریزی میں ماہر تھے - وعظ میں شریک تھے - مولانا نے جب بطور استدلال مثنوی مولانا روم کا یہ شعر پڑھا ؎

کے پرد مرغے مگر با جنس خود   صحبت ناجنس گور است و لحد

اس کے سننے سے خانصاحب متاثر ہوئے - پھر مولانا نے سلسلہ بیان میں یہ شعر شروع کئے ؎

حق فرستاد انبیا را بہر این   تا جدا گردد از ایشاں کفر و دیں

مومن و کافر مسلمان و جہود   پیش از ایشاں جملہ یکساں مے نمود

یہ دونوں شعر سنکر خانصاحب کا ذوق قلبی اور بڑھا - مگر صبر و سکون کے ساتھ ضبط کئے بیٹھے رہے - مولانا نے یہ تیسرا شعر پڑھا ؎

پیش از ایشاں را ہمہ یکساں بدیم   کس ندانستے کہ ما نیک و بدیم

یہ شعر سنتے ہی مولانا کے جسم کو ایک غیر معمولی حرکت ہوئی اور دفعتاً گر پڑے حکیم داؤد خانصاحب نے فوراً اٹھ کر نبض دیکھی - لیکن روح پرواز کر چکی تھی [۲] انا للہ وانا الیہ راجعون -

---

[۱] حیات جاوید حصہ اول صفحہ ۲۲۳ مصنفہ شمس العلما مولانا حالی مرحوم [۲] اس مضمون کے راقم حافظ محمد اسمٰعیل صاحب ہیں جو خود مجلس وعظ میں شامل تھے - یہ مضمون یکم اگست ۱۹۱۲ء کے روزانہ پیسہ اخبار میں چھپ چکا ہے -

حصّہ چہارم

تیرو نشتر

حضرت خواجہ بہشت حاجی حافظ حکیم مولینا شاہ محمد حسین صاحب خلن بہادر محب اللہ الہ آبادی ۱۳۱۴ھ کے حالات کے دیکھنے سے جسقدر حسرت ہوتی تھی وفات اس سے کہیں زیادہ حیرت انگیز ثابت ہوئی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اور ان کے وصال کی جو کیفیت کتابوں میں لکھی ہے۔ مولینا الہ آبادی نے اس واقعہ کو عین الیقین بلکہ حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچادیا ۷ رجب ۱۳۱۲ھ شب دوشنبہ کو اجمیر شریف محلہ عیدگاہ میں آپ نے قریب دو گھنٹے تک حضور رحمۃ للعالمین روحی فداہ کے فضائل حمیدہ وخصائل پسندیدہ بیان فرمائے اور سامعین کے ایمان کو تازہ فرمایا۔ شب کو وہیں قیام ہوا۔ ۸ کو اشراق کے بعد خوش خوش سید نثار احمد صاحب نائب متولی درگاہ خواجہ صاحبؒ کے یہاں تشریف لائے (آپ کا قیام بھی یہیں تھا۔) حسب معمول چائے نوش فرمائی۔ اور خلاف عادت نئے کپڑے نکلوا کر زیب تن فرمائے (آپ کی عادت تھی کہ جب کپڑے میلے ہوجاتے اور کوئی عرض کرتا کہ کپڑے بدل لیجئے تو آپ بدلتے اور اُس دن خود ہی نئے کپڑے پہنے) کنگھی کی خوشبو لگائی۔ اور خوش وخرم جیسے عاشق کسی کی تمنائے دیدار میں جاتا ہے محفل سماع میں تشریف لے گئے۔ اول قوالوں سے نغمہ کی فرمائش کی قوالوں نے یہ شعر پڑھا ؎

خشک تار و خشک چوب و خشک پوست — از کجا مے آید این آواز دوست

مولانا نے فرمایا ؎

نے ز تار و نے ز چوب و نے ز پوست — خود بخود آواز مے آید ز دوست

حضرت شاہ صوفی جان صاحب سے فرمایا صوفی کے مار ڈالنے کو یہی کافی ہے

پھر قوالوں سے ایک اور غزل کی فرمائش کی وہ ان کو یاد نہ تھی۔ پھر یہ غزل حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی شروع کی ؎

آستین بر رُو کشیدہ ہمچو مکار آمدی الخ

مولینا ہر شعر کی شرح فرماتے جاتے تھے محفل پر خاص حالت طاری تھی جب قوال اس شعر ؎

گفت قدوسِ فقیرے در فنا و در بقا　　　　خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

پر پہنچا تو مولینا نے اس کے معنے اس طرح ارشاد فرمائے۔ قدوس رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنی فنا و بقا دونوں حالتوں میں محتاج تھے۔ نہ فنا اُن کے اختیار میں تھی نہ بقا۔ اس صورت میں فقیرے در فنا و در بقا صفت ہوگی۔ اور قدوس موصوف اور مقولہ شیخ خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی یعنے ذات حق مرتبہ غیب الغیب میں سارے جہان سے بے نیاز تھی۔ ان اللہ لغنی عن العٰلمین۔ اور تنزل و اظہار کمال کے مرتبہ میں خود مقید ہو گئی۔ جیسا دوسرے شعر میں وارد ہؤا ؎

از تقاضائے حب جلوہ گری　　　　آمد اندر حصار شیشہ پری

پھر ارشاد فرمایا کہ دوسرا علم آیا اور مقطع کا اپنی زبان فیض ترجمان سے اس طرح اعادہ فرمایا ؎

گفت قدوس فقیرے

یعنی فرمایا قدوس رحمۃ اللہ علیہ نے جو ہمہ تن فقر تھے کہ ذات مرتبہ فنا میں فقیر صفت ہوگی اور مقولہ در فنا و در بقا الی اخرہ ہوگا۔ اور خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی بطور لف و نشر مرتب کے ہوگا۔ یہ مطلب تمام فرمایا اور اس جملہ خود بخود آزاد کو اپنی ذات پر تطبیق دے کر فرماتے تھے خود بخود خود بخود ہاں خود بخود دیکھتے ہی دیکھتے جان شیریں کو نذر جان آفرین کر دیا۔ اور سر بسجود ہو گئے۔ سب سے پہلے حضرت شاہ صوفی ؟ صاحب نے فرمایا کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ سول سرجن نے معائنہ کر کے بتایا کہ ان کو کوئی بیماری نہ تھی۔ دفعتہً کسی سبب سے قلب کی حرکت بند ہو گئی ہے۔ سکتہ

کے خیال سے فصد بھی لی گئی جس سے قبر تک خون جاری تھا۔ گویا ایک مرتبہ شہادت بھی آپ کو حاصل ہوگیا یہ واقعہ ۱۹ ستمبر ۱۹۰۴ء دوشنبہ کے دن کا ہے۔

جب اس واقعہ کی خبر علیگڈھ پہنچی تو خان بہادر زین العابدین صاحب صدر الصدور پنشنر نے دیوان حافظ کے ذریعہ لسان الغیب سے دریافت کیا کہ مولینا کی کیا حالت تھی۔ اور کیا ہوئی اور اب کیا حالت ہے۔ اس کے جواب میں یہ غزل نکلی ؎

زاہد خلوت نشین دوش بمیخانہ شد | از سر پیمان گذشت بر سر پیمانہ شد
شاہد عہد شباب آمدہ بودش بخواب | باز بہ پیرانہ سر عاشق و دیوانہ شد
مغبچہ میگذشت راہزن عقل و دیں | در پے آن آشنا از ہمہ بیگانہ شد
آتش رخسار گل خرمن بلبل بسوخت | چہرہ خندان شمع آفت پروانہ شد
گریہ شام و سحر شکر کہ ضائع نگشت | قطرہ باران ما گوہر یکدانہ شد
نرگس ساقی بخواند آیت افسونگری | حلقہ اوراد ما گردش پیمانہ شد
صوفی مجلس کہ دے جام و قدح می شکست | دوش بیک جرعہ مے عاقل و فرزانہ شد
منزل حافظ کنوں بارگہ کبریاست | دل بر دلدار رفت جان بر جانانہ شد

ایک قوال کی زبانی جو مولینا مرحوم کی خدمت میں عرصہ سے رہا کرتا تھا معلوم ہوا کہ اس غزل کو اکثر غایت شوق سے سنا کرتے تھے۔ اور اس شعر پر

آتش رخسار گل خرمن بلبل بسوخت | چہرہ خندان شمع آفت پروانہ شد

اور مقطع پر ہمیشہ وجد ہوتا تھا۔ اور عالم کیف میں آکر بے خود ہو جاتے تھے۔ یہ پوری غزل آپ کی مکمل سوانح عمری ہے۔ جب سماع کا ذوق پیدا ہوا تھا تو ابتدا میں چھپ چھپ کر دروازہ بند کر کے سنتے تھے۔ جس کا اشارہ مطلع یعنے زاہد خلوت نشین میں ہے جس مجلس میں وصال ہوا۔ اُس میں قوالوں سے نغمہ کی فرمائش کرنا اور شاہ صوفی جان صاحب سے مخاطب ہوکر یہ فرمانا "صوفی کے مار ڈالنے کو یہی کافی ہے" گویا مقطع کے اوپر کا شعر لفظاً و معناً زبان مبارک سے ادا فرمانا ہے۔ مولوی زین العابدین صاحب نے یہ نغمہ لفظ دلم غزل کے اخیر مصرع سے یہ تاریخ نکالی ہے ؎

صوفئ صافی بنہاد شاہ محمد حسین — فانیٔ فی اللہ گشت از ہمہ بیگانہ شد
حافظِ خوشخواں ندا کرد بہ باب دلم — دلبرِ دلدار رفت جانبِ جانانہ شد

بابو عمر دراز خانصاحب ایک صوفی باکمال بزرگ ہیں جن کو حضرت مولینا الہ آبادی سے ایک حد تک خاص تعلق تھا اور تھوڑے دنوں سے نہ تھا بلکہ ۱۸-۱۹ سال سے اسی زمانہ میں آپنے لکھا تھا کہ "کل ۲۲ رجب یا ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء بروز شنبہ دو تین بجے شب کے درمیان میں نے مولینا صاحب ممدوح کو الہ آباد میں اپنی نشستگاہ پر عقب مکان آنجہانی کے رونق افروز ہوتے ہوئے خواب میں دیکھا۔ بندہ کی روح محض آپ کے دیدار پُرانوار سے مشرف ہونے کے لئے حاضر ہوئی۔ پہنچتے ہی بعد السلام علیکم کے قریب تر مولانا ممدوح کے بیٹھ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ مولینا صاحب دام فیضہٗ ایک جبہ ریشمی یا بالفاظ دیگر حریر بہشتی سے مزین ہیں مجھ پر کسی قدر وجدانی کیفیت طاری ہے۔ قلب پر اضطراب ہے۔ اہل اللہ کی فیض صحبت کے اثر سے یہ بات ہوا کرتی ہے۔ عرصہ قلیل کے بعد میری زبان سے یہ فقرہ نکلا "واہ رے زاہد" یہ فقرہ روح نے حضرت ممدوح کی شان مبارک کے لئے نہیں استعمال کیا۔ حسب عادت یونہی بے ساختہ کہہ اٹھی اور میں مسکرایا۔ ایک دفعہ نہیں متعدد بار۔ مولانا ممدوح آنجہانی کے روئے انور کی طرف دیکھتا جاتا ہوں مسکراہٹ غلبہ پاتی جاتی ہے۔ اسی مضطرب حالت میں یکایک فرش پر لیٹ گیا از راہ ادب پھر اُٹھا۔ اور دیوار سے سہارا لے کر بیٹھا۔

واللہ میری عجب لطیف کیفیت تھی۔ روح اس قدر بشاش ہو رہی تھی کہ جس کی کیفیت رقم کرنے سے قلم قاصر ہے۔ غرض اسی حالت میں مولینا صاحب مجھ سے یوں مخاطب ہوئے عمر دراز خاں! (میری طرف ذرا کسی قدر خمیدہ ہو کر مجھ کو اپنی طرف متوجہ کیا) مولانا فرماتے ہیں کہ "جب میں نے حالت سماع میں حضرت عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کے شعر کے سننے سے مستغرق ہو کر عالم کثرت سے ذات احدیت کی طرف تمام و کمال رخ کیا تو یکایک مقام ھُو پر (یہ مقام لاہوت ہے جہاں نہ عبارت نہ اشارت نہ کلام کچھ نہیں) پہنچتے ہی پھر حواس (یعنی جسمانی حسی) کی طرف پھرنا چاہا تو نہ پھر اگیا۔ اور اپنی قوت فانی نے کام نہ دیا

سنتے ہی بندہ نے کہا خوب یہ تو بڑا کمال ہے۔ مولانا نے تبسم کناں ہوتے ہوئے جواب دیا نہیں بھئی میں اس قابل کہاں؟ آپ پر بیتابی تھی۔ ابھی میری طرف کروٹ بدلی ہے تو فوراً دوسرے رخ کروٹ لے لی عجب اضطراب تھا۔ آپ کے روبرو میاں عبید اللہ خاں صاحب شاگرد رشید بھی بیٹھے ہوئے تھے میاں ولایت حسین صاحب خلف مولانا محمد روح آبجہانی شاید کھڑے تھے۔ خادم کی آنکھ مولانا کے اس آخری جملہ پر کہ نہیں بھئی میں اس قابل کہاں سنکر کھل گئی۔

حضرت خواجہ نور محمد صاحب تیراہی (علاقہ سرحد افغانستان میں) ایک بزرگ کامل گذرے ہیں۔ ان کے ایک خلیفہ مولوی حسن علی تھے حضرت خواجہ چونکہ عموماً سفر میں رہا کرتے تھے۔ اس لئے مولوی حسن علی کے دل میں بدظنی پیدا ہوئی کہ یہ اچھے ولی اللہ ہیں کہ ایک دن بھی کہیں قیام نہیں رکھتے۔ میں اس پیری مریدی سے باز آیا۔ اور پھر دل میں کہا کہ کوئی موقع دیکھ کر رات کو بھاگ جاؤنگا۔ ان خیالات کو چند منٹ گذرے تھے کہ مولوی حسن علی دفعتاً شدید بخار میں مبتلا ہو گئے حضرت خواجہ صاحب تشریف لائے پوچھا کیا حال ہے عرض کیا سخت تکلیف ہے فرمایا فقیروں سے بدظنی اور بداعتقادی اچھی نہیں۔ ہمارا دامن پکڑا ہے تو ثابت قدم رہو۔ یہ سنکر حسن علی ان کے قدموں پر گر پڑا۔ اسی حالت میں اس پر وجد طاری ہوا۔ حالت وجد میں اس شعر کو بار بار پڑھتا۔ اور چیخیں مار مار کر روتا تھا ؎

ما ومن دوش نسیم شب کاکل پریشان کرد و رفت | خود پریشاں بود مارا ہم پریشاں کرد و رفت

جب ہوش میں آیا تو کہا ؎

ندارم ذوق رندے نے خیال پاک دامانی | مرا دیوانہ خود کن بہر رنگے کہ مے خواہی

حضرت خواجہ صاحب کے مریدان خاص میں سے جان محمد نام ایک مشہور خلیفہ تھا جب وہ وجد میں آتا تھا تو ملا غنی کشمیری کے اس شعر کو پڑھا کرتا تھا۔ اور جب خود تھک جاتا تھا تو اوروں کو پڑھنے کی فرمایش کیا کرتا تھا وہ شعر یہ ہے ؎

حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر | دام ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم

حضرت خواجہ صاحب کے خادموں میں ایک طالب علم بنام وتی کہ شاعر خوش گو بھی تھا۔ پنکھا جھلنے کے کام پر تھا۔ اس کے دل میں یہ خیال گذرا کہ حضرت بابا صاحب کی فیض صحبت اور نظر کیمیا اثر سے کئی لوگ ساحل مراد تک پہنچ گئے ہیں ابھی تک جوں کا توں ہوں۔ اسی اضطراب کی حالت میں کہ ہاتھ میں پنکھا تھا مجلس گرم تھی۔ اور حضرت تشریف فرما تھے نہایت سوز و گداز سے ایک غزل پڑھی جس کے چند شعر ذیل میں درج ہیں۔

زفروغ چشم رویت شدہ گرم بزم خوباں　　　بہ جبین ہر پریرو عرق حیا نشستہ
شدہ خاکِ من غبار ہے بہوائے آں کوئیت　　　بہزار امید واری بر ہ صدبا نشستہ
دل ستمند مارا زبرم ربود شوخے　　　بچہ دلبری ربودہ بچہ خوش ہوا نشستہ
پئے کشتنِ وتی گر نبود نگار مائل　　　بکنارہ مدعی پس بچہ مدعا نشستہ

مقطع کو اس درد دل کے ساتھ پڑھا کہ یاران مجلس جو پہلے ہی جھوم رہے تھے وجد میں آ گئے۔ حضرت خواجہ صاحب بھی متاثر ہوئے اور فرمایا وتی تم آج سے فی الواقعہ ولی ہو۔ یہ غزل ایک دفعہ پھر سناؤ۔ وتی نے نہایت خوش آوازی سے پھر اس کو پڑھا۔ اور حضرت کی دعا سے صاحب ولایت ہو گیا۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا سوز و گداز اور اضطراب و کرب کی ایک زندہ تصویر تھے۔ آپ جب پہلے پہل حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بابا شکر گنج نے ان کو دیکھ کر باواز بلند یہ شعر پڑھا ؎

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ　　　سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

یہ شعر حضرت گنج شکر کی زبان سے نکلتے ہی تیر کی طرح حضرت خواجہ کے دل میں لگا وہ تڑپتے اور لوٹتے تھے۔ اور دلہا "کباب کردہ" "جانہا خراب کردہ" کے نعرے لگاتے تھے۔

ایک مرتبہ قاضی شہاب الدین نے اپنے ایک وعظ میں یہ رباعی پڑھی ؎

لب بر لب دلبراں ہوشش کردن　　　واہنگ سرِ زلف مشوش کردن
امروز خوش است لیک فردا خوش نیست　　　خود را چو خسے طعمۂ آتش کردن

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ یہ رباعی سنکر میں ازخود رفتہ ہو گیا اور بہت دیر کے بعد مجھے خبر ہوئی کہ میں کہاں ہوں۔ اور کیا کر رہا ہوں۔ لوگ مجھے دیکھتے تھے اور حیران تھے۔

قاضی شہاب الدین خود بھی صاحب حال و قال تھے حضرت نظام الدین اولیا فرماتے ہیں۔ ایک دن مجلس سماع گرم تھی شیخ بدر الدین غزنوی کی ایک غزل پڑھی جا رہی تھی۔ ایک شعر یہ ہے ؎

نوحہ میکرد بہر نوحہ گر در مجمعے　　آہ ازیں سوزم بر آمد نوحہ گر آتش گرفت

تمام مجلس کی حالت دگرگوں تھی۔ مگر قاضی صاحب سب سے بڑھ گئے۔ انہوں نے جوش مستی میں اپنی دستار اور کرتے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

ایک مجلس میں قوال نے یہ شعر پڑھا ؎

مخرام بدیں صفت مبادا　　کز چشم بدت رسد گزندے

اس شعر کے سننے سے حضرات خواجہ پر رقت طاری ہو گئی۔ قوال نے اس سے آگے اور شعر پڑھنا چاہا۔ آپ روتے تھے اور کہتے تھے نہیں وہ شعر پڑھو۔ اور بار بار پڑھو۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک دن مجلس سماع گرم تھی۔ تمام درویش حاضر تھے۔ خواجہ بختیار بھی تشریف فرما تھے۔ شیخ جلال الدین تبریزی کہ مرد کامل تھے حضرت خواجہ کی ملاقات کے لئے آئے۔ خواجہ کو بھی کشف سے معلوم ہو گیا تھا۔ قوالوں سے ایک خاص غزل کی فرمائش کی۔ جب شیخ پہنچے تو قوال یہ شعر گا رہے تھے ؎

در میکدۂ وحشت ہشیار نمے گنجد　　در عالم نیرنگی جز یار نمے گنجد

شیخ اس وقت تک سماع کے قائل نہ تھے۔ یہ حال دیکھکر شیخ بھی وجد میں آ گئے

کتاب فوائد السالکین میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چند قوال آپ کی خدمت میں آئے اور اس شعر کو نہایت خوش الحانی سے گانے لگے ؎

سرود چیست کہ چندین فسونِ عشق دروست   سرود محرم عشق است و عشق محرم اوست

خواجہ بختیار اس شعر کو سنکر گر پڑے۔ سات دن اور سات رات تک (صرف نماز کے وقت کے سوا) بے ہوش رہے۔ اور کھانے پینے کی مطلق پرواہ نہ تھی۔

خواجہ بختیار کی رحلت کا واقعہ بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے۔ آپ شیخ علی سنجری (اور بالفاظ تاریخ فرشتہ خواجہ قطب الدین علی سجستانی) کی خانقاہ میں سماع سن رہے تھے۔ جب قوال اس شعر پر پہنچے ؎

کشتگانِ خنجر تسلیم را   ہر زماں از غیب جانے دیگر است

خواجہ بختیار کی طبیعت میں ایک تغیر واقع ہوا۔ آپ بیہوش ہو گئے۔ قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ بدر الدین غزنوی آپ کو آپ کے مکان پر لائے۔ لیکن آپ کی حالت بدستور اسی طرح تھی۔ پھر قوالوں کو بلایا گیا۔ انہوں نے جب وہی شعر پڑھا جس میں "از غیب جانے دیگر" کا ذکر تھا تو آپ نے حرکت کی۔ لیکن نہ آنکھیں کھولیں نہ کسی سے بات چیت کی۔ یہ حالت تین شبانہ روز رہی۔ چوتھے دن آپ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

شیخ فریدالدین گنج شکر ایک دفعہ حجرہ کا دروازہ بند کر کے بہزار شوق و محویت یہ رباعی پڑھ رہے تھے ؎

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم   خاکی شوم و زیر پائے تو زیم
مقصود من بندہ ز کونین توئی   از بہر تو میرم و برائے تو زیم

شیخ نظام الدین اولیاء نے مولانا بدر الدین اسحاق کے توسط سے دیکھا کہ شیخ جام عشق سے مدہوش ہیں اور رباعی پڑھے جا رہے ہیں۔ اور ہاتھ پشت پر رکھے وجد کر رہے ہیں۔

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ قوالوں نے حضرت نظام الدین اولیا کی مجلس میں جب حکیم سنائی کے یہ دو شعر پڑھے ؎

ہیں منما جمال جان افروز   در ہمو دی برو سپند بسوز
آن جمال تو چیست ہستئے تو   واں سپند تو چیست مستئے تو

تو حضرت محبوب الٰہی پر وجد کی حالت طاری ہو گئی۔ اور بار بار انہیں شعروں کو قوالوں سے سنتے رہے۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے حالات میں مصنف تاریخ فرشتہ لکھتا ہے کہ شیخ ایک دفعہ اپنے داماد اور مرید شیخ ابراہیم عراقی کی محفل میں گئے وہاں قوال شیخ عراقی کی یہ غزل گا رہے تھے ؎

برائے صید مرغ جان عاشق	ز زلف ماہرویاں دام کردند
لیالم ہر کجا رنج و ملامت	بہم بردند و عاشق نام کردند
زبہر نقل مستاں از لب و چشم	مہیا شکر و بادام کردند
چو خود کردند راز خویشتن فاش	عراقی را چرا بد نام کردند

غزل کے اکثر شعروں پر حضرت شیخ کو ایک جنبش سی ہوتی رہی مگر مقطع نے تو اک آگ سی لگا دی جس سے آپ دیر تک تڑپتے رہے۔ اور وجد و حال کے عالم میں نعرے مارتے رہے۔

عبد اللہ نام ایک قوال حضرت شیخ زکریا کی خدمت میں آیا۔ اور کہا شیخ شہاب الدین سہروردی میری آواز کے دلدادہ ہیں۔ اگر آپ بھی سماعت فرمائیں تو بندہ نوازی سے بعید نہ ہوگا شیخ نے اجازت دی پھر رات گئی محفل گرم ہوئی۔ عبد اللہ نے یہ غزل شروع کی

؎ مستاں کہ شراب ناب خوردند ——— از پہلوئے خود کباب خوردند

شیخ وجد میں آکر ایستادہ ہو گئے۔ اور ہو حق کے نعرے لگانے لگے۔ قوال دوسرا شعر پڑھنا چاہتا تھا۔ مگر شیخ نے اسی شعر کا تکرار جاری رکھا۔ اور جب تک حالت وجد میں رہے۔ اسی شعر کو بہ تکرار سنتے رہے۔

شیخ وحید الدین عثمان جو سیاح کے نام سے زیادہ مشہور ہیں حضرت شیخ نظام الدین اولیا کی ملازمت میں مرتبہ خاص رکھتے تھے۔ بادشاہ غیاث الدین نے حکم دے رکھا تھا کہ جو مطرب یا قوال کسی صوفی کی مجلس میں گائیگا یا کوئی صوفی سماع کی محفل کرائیگا تو دونوں کی زبانیں گدی سے کھینچ لی جائینگی۔ اس خوف سے کسی صوفی کو راگ سننے اور کسی قوال کو سنانے کی تاب نہ تھی۔ میر حسن قوال جو شیخ نظام الدین کے وظیفہ خواروں میں تھا معہ تین

قوالوں کے شیخ عثمان کے جماعت خانہ کی طرف سے گذرا اور سلام کے لئے اندر آیا شیخ عثمان نے کہا میر حسن! آہستہ آہستہ گن گناؤ۔ میر حسن نے عذر کیا اور کہا کہ حضرت! بادشاہ کو سماع سے اس قدر ضد ہے کہ کوئی شخص قرآن بھی خوش آوازی سے نہیں پڑھ سکتا۔ شیخ عثمان نے دروازہ بند کر لیا۔ اور اس کو گانے پر مصر کیا۔ آخر میر حسن نے ابھی ایک بیت ہی ؎

زاہد ز دین بر آمد و صوفی ز اعتقاد   ترسا محمدی شد و عاشق ہما کہ ہست

شروع کی تھی کہ شیخ عثمان وجد میں آ گئے۔ بیخودی میں کودنے لگے۔ اور دروازہ کھول دیا۔ تمام شہر میں خبر پھیل گئی۔ آگے قصہ بہت طویل ہے مختصر یہ ہے کہ آپ کو بادشاہ نے سختی سے حاضری کا حکم دیا۔ آپ ابھی راستے ہی میں تھے کہ بادشاہ کا غصہ مبدل بہ التفات ہو گیا۔ اور آپ تین شبانہ روز تک اعزاز و اکرام کے ساتھ قصر خاص میں بطور مہمان شاہی نزوکش رہے۔

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے حالات میں لکھا ہے کہ دہلی کے نواب غازی الدین خاں نظام الملک حضرت کے پیر بھائی تھے۔ نواب نے مجلس سماع منعقد کر کے ایک دفعہ حضرت خواجہ صاحب کو (جو اُن دنوں دہلی میں تھے)[1] معہ ان کے اکثر خلفائے کے مدعو کیا حضرت تشریف لائے۔ قوالوں نے حضرت جامی کی یہ مشہور غزل شروع کی ؎

اے ترک شوخ دیں ہمہ ناز و عتاب چیست   با دل شکستگان ستم بے حساب چیست
گفتی شبے بہ خواب تو آیم دلے چہ سود   چوں من بعمر خویش ندانم کہ خواب چیست
از مدرسہ بکعبہ روم یا بہ میکدہ   اے پیر رہ بگو کہ طریق ثواب چیست
گر من نہ غرق آتش عشقم ز شوق تو   این سینہ پر آتش و چشم پر آب چیست
جامی چہ لافِ نیستی از پاک دامنی   بر خرقۂ تو ایں ہمہ داغ شراب چیست

از مدرسہ بکعبہ الخ پر حضرت خواجہ صاحب کو ایسا وجد طاری ہوا کہ آنکھوں سے خون کے فوارے جاری تھے۔ خلفا اور مرید آپ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر آپ کو طواف کراتے تھے۔ قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی بھی شامل سماع تھے۔ آپ نے یہ نوبت

[1] یعنی خواجہ محمد سلیمان تونسوی ۱۲

دیکھکر قوالوں کو منع کیا اور کہا بس کرو۔ ہمارا فقیر مرا جاتا ہے۔

سلطان علاء الدین حسن بہمنی (تاریخ وفات غرۂ ربیع الاول ۷۵۹ھ بعمر ۶۷ سال) خاندان بہمنی کا بانی تھا۔ جس کی سلطنت دکن میں نہایت زور پر رہی ہے۔ بادشاہ اپنے چھوٹے بیٹے محمود سے بہت محبت رکھتا تھا ایک دن فرمایا محمود کہاں ہے؟ عرض کیا گیا مدرسے میں سبق پڑھ رہا ہے بلوایا اور پوچھا بیٹا کیا پڑھتے ہو عرض کیا۔ بوستان فرمایا کون سی حکایت؟ جواب میں محمود نے یہ حکایت پڑھی ؎

شنیدم کہ جمشید فرخ سرشت — بسر چشمۂ بر بسنگے نوشت

بدیں چشمہ چوں ما بسے دم زدند — برفتند چوں چشم برہم زدند

گرفتند عالم بمردی و زور — ولیکن نہ بردند با خود بگور

تاریخ فرشتہ کے تیسرے مقالے تذکرہ سلاطین دکن میں لکھا ہے کہ جب سلطان علاؤالدین حسن نے تیسرا شعر سنا۔ تو بے اختیار ہو کر ہائے ہائے کے نعرے مارنے لگا اور دیر تک زار زار روتا رہا جب ہوش میں آیا تو تینوں بیٹوں کو بلا کر اتفاق و اتحاد اور خیرات و صدقات کی وصیت کرتا۔ اور بہ آواز بلند الحمد للہ کہتا ہوا واصل بحق ہو گیا۔

دہلی میں نور بائی کا نام بہت مشہور ہے جس کو محمد شاہ بادشاہ کے دربار میں بہت تقرب حاصل تھا۔ نور بائی ایک دن نواب روشن الدولہ کے ہاں ہنسی چہل کی باتوں میں مشغول تھی کہ اتفاقاً میراں سید بھیک صاحب جن سے نواب کو بہت عقیدت تھی۔ تشریف لے آئے۔ نواب نے نور بائی کو دوسرے کمرے میں بھجوا کر چلمن چھڑوا دی۔ میراں صاحب اتفاق سے بہت دیر تک بیٹھے رہے۔ نور بائی نہایت چلبلی طبیعت کی عورت تھی۔ وہ بے تاب ہو کر باہر نکل آئی۔ اور شیخ میراں کے حضور میں جھک کر آداب بجا لائی۔ اور عرض کی کہ لونڈی کو حکم ہو تو کچھ گائے شیخ سماع کے عاشق تھے جواب تو نہ دیا۔ لیکن خاموش ہو رہے۔ بائی نے نہایت سوز و گداز سے یہ رباعی گائی ؎

بشیخ بہ زنے فاحشہ گفتا مستی　　کز خیر گسستی و بہ شر پیوستی

زن گفت چنانکہ می نمائم ہستم　　تو نیز چنانکہ می نمائی ہستی

مولانا حالی مقدمہ شعر و شاعری میں لکھتے ہیں کہ اس برمحل رباعی کے سننے سے شیخ کی حالت ایسی متغیر ہو گئی کہ بائی کو اپنی جسارت سے سخت نادم ہونا پڑا۔ باوجودیکہ فوراً بائی کو خاموش کر دیا گیا تھا شیخ کی شورش کسی طرح کم نہ ہوتی تھی۔ وہ زمین پر مرغ بسمل کی طرح لوٹتے تھے۔ اور دیواروں میں سر دے دے مارتے تھے۔ دیر تک یہی حال رہا اور بہت مشکل سے ہوش میں آئے۔

مولینا سید احمد صاحب[۵] بریلوی جن دنوں درویشانہ زندگی میں رہتے تھے۔ چشتیہ طریق میں لوگوں سے بیعت لیا کرتے تھے۔ یہ حالات سنہ ۱۲۳۴ھ ہجری المقدس تک رہے۔ اسی زمانہ میں ایک شخص صوفی نام باشندہ دہلی آپ کی بیعت اور بزرگان دین کے کمالات سے انکار کرتا تھا۔ لوگوں نے اس کو بہت سمجھایا۔ مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر اس نے حسب قاعدہ مقررہ درود وغیرہ پڑھ کر بہ نیت فال دیوان حافظ کھولا تو اول صفحہ کی پہلی سطر ہی میں یہ شعر نکلا ؎

کجاست صوفی دجال چشم ملحد شکل
بگو بسوز کہ مہدی دین پناہ رسید

یہ شعر دیکھتے ہی صوفی کے دل پر ایک برچھی سی لگی۔ عرق شرم سے تر ہو گیا۔ دوڑا ہوا مولانا کے پاس گیا۔ اور نہ صرف بیعت کی بلکہ دیگر بزرگان دین کے متعلق جو خرافات بکا کرتا تھا

---

[۵] مولانا سید احمد بریلی میں یکم محرم الحرام سنہ ۱۲۰۱ھ کو پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۲۳۴ھ تک ان کی زندگی بالکل درویشانہ رہی۔ لیکن ۱۲۳۴ھ سے ۱۲۴۶ھ تک زندگی میں سپاہیانہ زور پیدا ہوتا ہے۔ اور درویش و فقیر و اولیا کے سخت خلاف ہو جاتے ہیں اور حد سے زیادہ ۔۔

ان سے توبہ کی ۔

مولانا فریدالدین شکر گنج رح جو بابا فرید شکر گنج کے نام سے زیادہ مشہور ہیں ۔ جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کی خدمت میں بمقام دہلی حاضر ہوئے تو حضرت خواجہ نے ان سے فرمایا کہ مردان خدا بڑے بڑے مرحلے طے کر کے صدق و صفا کے مقام تک پہنچتے ہیں ۔ یہ سعادت سب لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے ۔ خدا کا فیض عام ہے بقول شاعر

عام ہیں اُس کے تو الطاف شہیدی لیکن — تجھ سے کیا ضد تھی جو تو کسی قابل ہوتا

لیکن مرد ہونا چاہئے جو منزل پہ پہنچنے کی کوشش کرتا رہے ۔ جب تک اس کوچہ میں صدق و صفا سے قدم نہ رکھے اور دل سے نہ چلے کبھی قرب آلٰہی حاصل نہیں کر سکتا ۔ ان الفاظ کے بعد یہ اشعار

تو راہ نرفتہ ازاں نمودند — ورنہ کہ زد این درگہ بروں نکشودند

جان در رہ دلہاست اگر مے خواہی — تو نیز چناں بشو کہ ایشاں بودند

زبان مبارک سے کچھ اس سوز و گداز کے ساتھ بیان فرمائے کہ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور عالم تحیّر میں مشغول ہو گئے ۔

۲۷ رجب ۶۵۵ ہجری کا دن تھا اور حضرت فرید بابا مسئلہ سماع پر گفتگو فرما رہے تھے ۔ شیخ بدر الدین غزنوی ۔ شیخ جمال الدین ہانسوی ۔ شمس دبیر نظامی ۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی اور کئی اور بزرگ اور درویش بیٹھے ہوئے تھے ۔ یکایک محمد شاہ نامی قوال اپنی جماعت کے ساتھ حضرت بابا صاحب رح کے سلام کے لئے آ گیا ۔ آپ نے فرمایا کچھ سناؤ ۔ محمد شاہ حضرت احد الدین کرمانی کا خوش گلو قوال تھا ۔ اس نے گانا شروع کیا حضرت فرید بابا عالم سرور میں آ کر کھڑے ہو گئے ۔ اور رقص کرنے لگے ۔ ایک دن رات یہی حالت طاری رہی ۔ نماز کے وقت نماز پڑھ لیتے اور پھر سماع میں آ جاتے ۔ غزل[۱] کے چند بیت یہ ہیں ۔

---

[۱] بزم فریدیہ مطبوعہ دہلی

ملامت کردن اندر عاشقی راست ۔۔۔ ملامت کے کند آنکس کہ نبیاست

نہ ہر تر دامنے را عشق زیبد ۔۔۔ نشان عاشقی از دور پیداست

نظامی تا توانی پارسا باش ۔۔۔ کہ نور پارسائی شمع دلہاست

جس شعر کو حضرت شیخ الاسلام فرید بابا کی پاک زبان سے بار بار نکلنے زار زار رلانے اور وجدانیت و سرور پیدا کرنے کا سب سے زیادہ فخر حاصل ہے۔ اس کو حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رح نے اپنی کتاب راحت القلوب میں ہر ایسے مقام پہ درج کیا ہے۔ جہاں اس کا ذکر آیا ہے وہ شعر یہ ہے ؎

در کوئے تو عاشقاں چناں جان بدہند ۔۔۔ کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

حضرت سلطان المشائخ لکھتے ہیں۔ ۱۳ شعبان ۶۵۵ھ کا واقعہ ہے۔ حضرت فرید بابا رح شیخ ابو الجنت یمنی کے فضائل بیان کر رہے تھے جب ان کے وصال پر پہنچے تو فرمایا انھوں نے مرنے سے پیشتر ہی جامہ۔ خوشبو۔ بلکہ غسال تک کا بھی انتظام کیا تھا۔ جب وقت آیا تو کہا سب میرے پاس سے چلے جائیں۔ لوگوں کے جانے کے بعد سورہ یٰسین شروع کی۔ اور جب فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیئ والیہ ترجعون پر پہنچے تو آخری سانس پورے ہو گئے۔ آواز آئی دوست دوست سے پیوست ہو گیا۔ حضرت فرید بابا یہ کہکر ہائے ہائے کر کے روتے تھے اور یہ شعر پڑھتے تھے ؎

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند ۔۔۔ کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

آخر نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ اور جب ہوش آیا تو اسی شعر کو دہرانے لگے۔ ہر بزرگ کے وصال کے موقعہ پر حضرت فرید بابا نے یہ شعر پڑھا ہے۔ اور چشم پر آب ہو کر جھوم جھوم کر مزے لے لے کر نعرے مار مار کر اس کا مطلب لوگوں کو سمجھایا ہے۔ اور فرمایا ہے طالب کو چاہیئے کہ مطلوب کے عشق و محبت میں ہر لمحہ مستغرق رہے اور اس کی یاد کبھی دل سے محو نہ کرے۔ راحت القلوب[۱] میں اس کا مفصل ذکر ہے۔

راحت القلوب میں لکھا ہے۔ ایک دن فرید بابا رح پر حالت طاری ہوئی فرمایا کانس سا

[۱] بزم فریدی راحت القلوب کے اردو ترجمہ کا نام ہے جو درویش پریس دہلی سے ۱۰ میں مل سکتا ہے

وقت قوال ہوتے تو کچھ سنتے۔ پھر خود ہی عالم وجد میں یہ رباعی بار بار پڑھتے تھے ؎

آں عقل کجا کہ از کمال تو رسد و آں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال آں روح کجا کہ در جلال تو رسد

اس رباعی میں یہاں تک استغراق رہا۔ کہ اسی حال میں ایک رات دن گذر گیا

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی ایک مرتبہ شیخ محمد ہانسوی کے پاس جو حضرت قطب الدین بختیار کے یاران خاص میں سے تھے چلے گئے۔ وہاں سے حضرت بابا فرید کی خدمت میں ایک مکتوب لکھا جس میں یہ شعر تھا ؎

زانگاہ کہ بندۂ تو دانند مرا ہر مردمک دیدہ نشانند مرا
لطف عامت عنایتے فرمودہ است ورنہ کیم از کجا چہ دانند مرا

فرید بابا جب اس شعر پر پہنچے تو حالت متغیر ہو گئی۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت محبوب الٰہی خود بھی حاضر ہو گئے حضرت نے فرمایا۔ تم نے اپنے مکتوب میں ایک شعر لکھا تھا جس کو میں نے یاد کر لیا ہے۔ اور جب تم یاد آتے ہو تو میں اس کو پڑھ لیتا ہوں۔ اب تمہاری زبان سے بھی وہ شعر سننا چاہتا ہوں۔ حضرت محبوب الٰہی فرماتے ہیں: میں نے قدمبوس ہو کر وہ شعر پڑھا۔ سنتے ہی آپ پر رقت طاری ہو گئی اور بے حد و نہایت رقص فرمایا۔ جب اس وجد و کیف سے فارغ ہوئے۔ اور سکون کی حالت پیدا ہوئی۔ تو مجھے نعلین چوبی دکھڑاویں مصلی۔ عصا اور خرقہ خاص عطا فرمایا اور گود میں لے کر کہا مولینا نظام الدین وہ دن نزدیک ہے کہ میں تم کو رخصت کر دوں۔ اور پھر تمہیں نہ دیکھ سکوں لیکن ابھی چند روز یہاں رہو کہ ملاقات و دیدار غنیمت ہے۔ حضرت مولینا محبوب الٰہی فرماتے ہیں۔ اس کے بعد چشم پرآب ہو گئی۔ اور آنسوؤں کو جس شعر نے آنکھوں سے باہر نکالا تھا وہ حسب ذیل ہے ؎

دیدار دوستان موافق غنیمت است چوں یافتیم حیف بود گر رہا کنیم

۲ ربیع الاول ۱۰۶۵ھ کا ذکر ہے حضرت فرید بابا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روحی فداہ کے عالم وصال کا ذکر فرما رہے تھے۔ حاضرین مجلس سے ایک نعرہ بلند ہوا

حضرت پر بھی محویت کا عالم طاری ہوا حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں میں حاضر تھا فرمایا
" جن کی خاطر تمام عالم پیدا کیا انہی کو جب عالم میں نہ رکھا تو پھر میں اور تم کون ہیں ۔
شمس دبیر بھی حاضر خدمت تھا ۔ اس نے عرض کیا نظامی کی ایک نظم برمحل یاد آئی ہے
فرمایا پڑھو ۔ جب نظم پڑھی گئی تو حضرت فرید بابا پر عجب کیفیت طاری ہوئی ۔ اور وہ
ایک پہر تک عالم بیخودی اور جذب وکیف کی حالت میں رہے نظم حسب ذیل ہے ۔

جہاں اجنبیت بگذر ز نیرنگ او ۔ رہائے بچیات آز ان چنگ او
مغنیے نہ بینی دریں باغ کس ۔ تماشا کند سر سبزے یک نفس
درکی جہا معہ پیچ بیخود نیست ۔ کہ کیسہ بہ مرد خودی مہ نیست
درہ سر درمے نو بدے مے رسد ۔ یکے میرود دیگرے مے رسد
جہاں گرچہ آرام گاہ خوش است ۔ شتابندہ را نعل در آتش است
دو در دارد ایں باغ آراستہ ۔ در و بند ایں ہر دو برخاستہ
در آ از در سے باغ بنگر تمام ۔ ز دیگر در باغ بیروں خرام
اگر زیرکی ۔ باگلے خو مگیر ۔ کہ باشد بجا ماندنش ناگزیر
بیکے راہ در آرد بہ ہنگامہ تیز ۔ دگر راز ہنگامہ گوید کہ خیز
نظامی سبک بارہ باداں شدند ۔ تو ماندی بغم غم گساراں شدند

حضرت خواجہ نور محمد صاحب المشہور حضرت بابا جی صاحب تیراہی ایک مرتبہ موضع
ڈڑا فضل متیم تھے وہاں دو افغان جہان خان اور شریف خان نے ڈاکہ زنی اور چوری
کی وارداتوں سے مواضعات کا دم ناک میں رکھا تھا ۔ خدا کی قدرت سے دونوں بھائی
بیعت کے لئے حاضر ہوئے ۔ آپ نے فرمایا اگر چوری ترک کرو گے تو مریدوں میں داخل
ہو سکتے ہو ۔ غرض وعدہ کر کے وہ ارادتمندوں میں داخل ہو گئے ۔ لیکن خوئے بد د
طبیعت کہ نشست مشکل ہی سے جاتی ہے ۔ چنانچہ دونوں بھائیوں نے معہ چند اور
ڈاکوؤں کے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اللہ نور حضرت باباجی کے ایک مرید
کے گھر نقب لگائی ۔ اللہ نور کا ایک لڑکا پندرہ سالہ عمر کا تھا وہ جاگ اٹھا ۔ اور اس ۔

جہان خاں کو اس زور سے بغل میں دبایا کہ قریب تھا کہ اس کی چیخ نکل جائے چراغ جلانے پر معلوم ہوا کہ یہ جہان خاں اپنا ہی پیر بھائی ہے۔ نقب دیوار کے باہر جو جو چور تھے انہوں نے جہان خاں کو آواز دے کر بند و قیں چلانے کی اجازت طلب کی مگر اس نے کہا تم چلے جاؤ۔ میں آرام سے ہوں مجھے گھر والوں نے نہیں بلکہ بابا صاحب نے پکڑ کر لڑکے کے حوالے کیا ہے۔ جب سحری کا وقت آیا تو گھر والوں نے اور جہان خاں سب نے مل کر کھانا کھایا۔ دن نکلتے ہی حضرت بابا صاحب بھی تشریف لائے۔ اور فرمایا تم کو منع کیا گیا تھا مگر تم باز نہ آئے۔ اس نے کہا یہ قصور معاف کیا جائے آئندہ ساری عمر کے لئے توبہ ہے۔ حضرت نے فرمایا ؎

ہر نفس بقیامت شمار خواہد بود　　گنہ مکن کہ گنہگار خواہد بود

معلوم نہیں کس درد اور کس سوز و گداز سے یہ شعر پڑھا گیا کہ جہان خاں سنتے ہی لوٹنے لگا روتا اور دھاڑیں مارتا تھا۔ اور حضرت کے مال و جان کو دعائیں دیتا تھا۔

خواجہ محمد عادل شاہ صاحب مصنف انوار تیراہی جو حضرت بابا صاحب کی تیسری پشت میں ہیں۔ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ حضرت بابا صاحب کا ایک خادم میاں منگا ضلع زنگی ضلع اٹک کا رہنے والا تھا جس کو آپ کی دعا سے مرض جذام سے نجات ملی تھی۔ حضرت کے وصال کے بعد وہ مبری قابہ پانی کرتا رہا جب کبھی حضرت صاحب کا ذکر آتا تو یہ شعر پڑھتا ؎

شربتے از لعل لبش نچشیدیم و برفت　　روئے مہ پیکرہ و سیر ندیدیم و برفت

ساتھ ہی اس کے آنسو نکل آتے اور اس میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہو جاتی۔

حضرت کا ایک مرید تھا فقیر جمال نام سکنہ اورنگ آباد۔ جب وہ آپ سے رخصت ہو کر اپنے وطن واپس آیا تو اس کی کیفیت ہی اور تھی ہر وقت جذبے کے عالم میں رہا کرتا اور بلند اور مستانہ آواز سے یہ شعر پڑھا کرتا ؎

درانتہائے نماز بے جاں نظر بر قامت دارم　　مگر از دامنت خو منت قبولی افتد نماز من

خواجہ دین محمد صاحب تیراہی (حضرت باباجی صاحب کے فرزند سوم) کا ایک مرید خلیفہ سید جمیل شاہ پشاور جاکر کسی نہ کسی وجہ سے خواجہ صاحب کے عقاید کا مخالف ہوگیا جب خواجہ صاحب کو اطلاع ہوئی فرمایا خود بخود پشیمان ہو کے آئیگا چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد وہ آیا اور اس حالت میں کہ صبح کا کھانا میسر تھا تو شام سے جواب شام کو کھانا تھا تو صبح کو محروم رہ جاتا تھا۔ عقاید باطلہ سے توبہ کی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا ہم تمہاری طرف سے کبھی مایوس نہیں ہوئے۔ اس نے رو کر یہ شعر پڑھے ؎

بلبل نیم کہ بر سر ہر گل نوا کنم　　مجنوں نیم کہ صورت خود را گدا کنم
پروانہ نیستم کہ بیک شعلہ جاں دہم　　شمعم چو پاک سوزم و جاں را فدا کنم

یہ شعر جس نے جس درد اور جس تڑپ کے ساتھ پڑھے گئے خواجہ صاحب بھی اس سے متاثر ہوئے اور دیر تک جھومتے رہے۔

خواجہ حسام الدین احمد جو خواجہ باقی باللہ رحمۃ دہلوی کے مریدان خاص میں سے بلکہ ممتاز خلیفہ تھے بیان کرتے ہیں کہ میں پہلے پہل زخم دل کا مرہم لینے کے لئے اُس روحانی طبیب (اپنے مرشد خواجہ صاحب) کی خدمت میں گیا۔ تو آپ نے انتہا درجہ کی خاکساری اور اصرار سے فرمایا کہ میں اس قابل نہیں جس بزرگ کا تمہیں پتہ دیا گیا ہے وہ کوئی اور ہونگے۔ میں ناکام اُٹھ کر آگرہ جانے کے ارادہ سے شہر (دہلی) میں آیا۔ سخت پریشان تھا کہ اب کیا کروں ناگاہ ایک نہایت دلکش اور دلربا آواز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ میں چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تو ایک عالیشان مکان کی اونچی دیوار سے گانے کی آواز میرے کان میں پہنچی۔ غور سے سُنا تو قوال شیخ سعدیؒ کے یہ بیت گا رہے تھے ؎

توخواہی آستین افشاں وخواہی دامن اندر کش
مگس ہرگز نخواہد رفت از دُکانِ حلوائی

میں نہیں سمجھتا اس شعر نے میری کیا حالت کر دی۔ اور مجھ پر کیا نوبت گذری مختصر

۱؎ حیات باقیہ

یہ ہے کہ میرے خیال کی چنگاری شعلہ زن ہو کر مشتعل ہو گئی۔ اور میں باوجود پہلی مرتبہ ناکام و نامراد واپس آنے کے جذبہ دل کے اصرار سے حضرت خواجہ صاحب کے پاس بے تابانہ دوڑا گیا۔ اور فیض یاب ہوا۔

مخدوم زادہ خواجہ عبداللہ احمدؒ جو حضرت خواجہ باقی باللہ رح کے فرزند ارجمند اور حضرت مجدد الف ثانی رح کے صحبت یافتہ تھے۔ باوجود سلسلہ نقشبندیہ میں منسلک ہونے کے کبھی کبھی استماع سرود سے بھی لذت حاصل کرتے تھے۔ اور کبھی بغیر سرود و سماع کے خود بخود ہی جنگلوں اور بیابانوں میں نکل جاتے پُر سوز اشعار پڑھتے اور دل پُر درد سے آہیں کھینچتے رہتے تھے۔ مؤلف حیات باقیہ نے آپ کا ایک شعر لکھا ہے۔ جس کو ایک وجہ قرار دے کر آپ شوریدہ حالی میں مشغول رہتے تھے ؎

گشتنِ گلستان بہانہ ایست نگار را بوئے تو آوارہ کرد باد صبا را

حضرت خواجہ محمد الباقی الاویسی النقشبندی المشہور باقی باللہ کے یاران خاص سے ایک بزرگ شیخ تاج الدین نام تھے۔ حضرت خواجہ کی وفات کے بعد وہ کشمیر اور ہندوستان کے دیگر ممالک کی سیر سے فارغ ہو کر زیارت حرمین شریفین کے لئے سفر حجاز پر آمادہ ہوئے۔ جب موسم حج قریب آیا۔ اور قافلہ حرمین نے کوچ کا نقارہ لگا دیا تو طبل کی آواز سے شیخ کی عجیب حالت ہو گئی۔ ایک سرد آہ کھینچی۔ اور پُر درد لہجے میں فرمایا ؎

یک طرف بانگ حدی یک جانب آواز درا از گراں جانی بود آنکہ ماند دل بجا

جب جذبات و غلیانات سے فارغ ہوئے تو قافلہ والوں کو کوچ کرنے کا حکم ہوا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کا ایک مرید تھا جو کسی زن خوشرو کے ساتھ ناجائز تعلق رکھتا تھا۔ حضرت کو خبر ہوئی۔ منع کیا۔ اور مولانا عبدالرحمٰن جامی کی یہ رباعی پڑھی ؎

رفت آنکہ بغیلۂ بتاں رو آرم حرفِ غمِ شاں بلوحِ دل بنگارم

آہنگ جمال جاودانی دارم حسنے کہ نہ جاوداں ازو بیزارم

خدا جانے اس رباعی میں کس قیامت کا اثر تھا کہ وہ مرید بیزارم بیزارم کے نعرے لگانے لگا اور تا دم زیست عارضی حسن کی دلفریبی سے بیزار رہا۔

حضرت خواجہ صاحب سے خلوت کے علاوہ کسی اور مقام پر گریہ کا ظہور بہت کم پایا گیا ہے۔ لیکن ایک دن آپ مسجد جماعت میں بے اختیار رو پڑے۔ سبب پوچھا فرمایا۔ نماز کی حالت میں روح نے عروج کرنا چاہا۔ اور ارادہ کیا کہ اوج کمال کی انتہا تک پہنچ جائے مگر راستہ میں سے پھر آئی اور چکر کھا کر بدن میں داخل ہو گئی۔ پھر اسی اشک آلودہ حالت میں یہ شعر فرمایا ؎

چہ تواں کرد کہ دیوار غم افتاد بلند　　　این نہ بائیست کہ آں خانہ برانداز نہاد

یعنے کیا کیا جائے غم کی دیوار بہت اونچی ہو گئی ہے لیکن یہ وہ بنیاد ہے جو اس خانہ برانداز نے خود رکھی ہے۔

خواجہ محمد سلیمان صاحب تونسوی ایک دفعہ حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد صاحب مہاروی کے پہلے یا دوسرے عرس میں شامل ہوئے نواب غازی الدین خاں نظام الملک اور دیگر خلفا بھی جمع تھے۔ قوالوں نے شیخ جمال چشتی فیروزپوری (حضرت خواجہ کے مرید کی) یہ غزل پڑھنی شروع کی۔

مرحبا ترک مست رعنائی　　　دل زما مے بری بہ یغمائی

در جہاں نیست کس بتو مانند　　　بے نظیرے بہ حسن و زیبائی

محو مطلق شود ہمہ عالم　　　چوں نقاب از جمال بکشائی

ظاہر بینوں کو یہ شعر بالکل معمولی نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کی کیفیت اور ان کی لذت صاحبدلوں سے پوچھنی چاہئے۔ خاتم سلیمانی میں لکھا ہے کہ ان اشعار سے خواجہ صاحب کو اس قدر وجد طاری ہوا کہ آپ نے جوش مستی میں صاحبزادہ غلام مصطفےٰ شہید کو جو اس وقت بالکل بچہ تھے۔ کندھے پر اٹھا کر چاروں طرف دوڑتے تھے کبھی روضہ کے اندر جاتے۔ کبھی مسجد میں چھلانگیں مارتے۔ آخر بے ہوشی غالب ہو گئی۔ صاحبزادہ کو نیچے اتارا۔ اور چلے خود ہو کر زمین پر گر پڑے۔ نبض کو دیکھا گیا۔ اس کا کچھ پتہ نہ ملا۔ نواب صاحب اور دیگر خلفاء کو بہت پریشانی ہوئی۔ آخر تیسرے پہر ہوش آیا۔ اور اٹھ کر نماز پڑھی۔

میاں احمد قوال جو بچپن سے اخیر عمر تک حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی صحبت میں رہا۔ ایک مرتبہ نواب شیر محمد خاں سدوزئی سکنہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں کا ایک عریضہ لے کر حضرت کے بنگلہ پر گیا۔ میاں احمد قوال کا بیان ہے کہ میں جب دروازے کے پاس گیا تو میں نے اندر سے ایسی خوش الحانی کی آواز سنی کہ آج تک سننی نصیب نہ ہوئی تھی۔ مجھے اس سے بڑا ذوق اور لطف اور سرور خاص حاصل ہوا۔ وہ غزل جو گائی جا رہی تھی حسب ذیل ہے ؎

جاں بجانان دادم و جانانِ خود را یافتم — گردِ شمعِ حسن اُو پروانہ خود را یافتم

من نہنگ عشقم و در بحر بے پایان اُو — تا فرو رفتم در و یک دانہ خود را یافتم

سالہا گشتم بر اطرافِ جہاں چوں گرد باد — از برائے آں پری دیوانہ خود را یافتم

تا شدم مست از جمال یار چوں ابن یکیں — ساغر مست مے و بیخانہ خود را یافتم

میاں احمد قوال کا بیان ہے کہ میں اسی حالت میں بنگلہ کے اندر پہنچا دیکھا تو خواجہ صاحب تن تنہا ہیں۔ اور ایک عجیب حالت میں ہیں مجھے دیکھ کے فرمایا۔ احمد! یہ کونسا وقت تمہارے آنے کا ہے۔ میں ڈر گیا۔ اور واپس آنے کا ارادہ کیا۔ آپ نے فرمایا۔ آیا ہے تو بیٹھ اور وہ کام بتا جس غرض سے آیا ہے۔ میاں احمد قوال نے عرض کیا۔ نواب شیر محمد خاں نے بھیجا ہے۔ فرمایا۔ اس وقت اس کا ذکر نہ کرو۔ اور فرمایا کچھ سناؤ۔ میں نے عرض کیا! جب میں بنگلہ کے پاس پہنچا تو ایک نہایت دلپذیر اور سحر آگین آواز آ رہی تھی لیکن جب دروازہ کھولا تو سوائے آپ کے کسی کو نہ پایا۔ یہ کیا راز اور کیا اسرار ہے؟ فرمایا ایک جن پانچ چھ روز سے میرے پاس آتا ہے۔ اس کا اصرار تھا کہ میری چوکی بھی مقبول فرمائی جائے۔ میرے پیچھے بیٹھا ہوا ہے۔ اگر دیکھنا چاہتے ہو تو دکھا دوں۔ میاں احمد نے کہا مجھے خوف آتا ہے اور مجھ میں اس کے دیکھنے کی تاب نہیں ہے۔ فرمایا اچھا جاؤ۔ چنانچہ میں باہر آیا آپ نے دروازہ بند کر لیا اور فرمایا۔ شاباش میاں کا لو اب شروع کر دو اور جب تک آپ نے بس میاں کالو کا ارشاد نہ فرمایا۔ گانے کی آواز برابر آتی رہی

حضرت خواجہ الہٰ بخش (حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ تونسوی کے صاحبزادے)
کا ذکر ہے کہ دربار لگا ہوا تھا۔ ایک شخص عالم شاہ کو جس کی آواز بہت اچھی تھی۔ ارشاد
ہوا کہ کچھ گاؤ۔ اس نے خواجہ حافظ شیرازی کی ایک غزل گائی جس کا مطلع یہ ہے ؎

بفراغ دل زمانے نظرے بماہروئے — بہ ازانکہ چتر شاہی ہمہ عمر ہائے وہوئے

آپ نے کئی دفعہ اس شعر کا تکرار فرمایا جھومتے تھے اور فرماتے تھے سبحان اللہ
کیسا عمدہ شعر ہے

حضرت خواجہ الہٰ بخش ایک دن نماز ظہر کے بعد خود بخود اس شعر کا تکرار بار بار
فرماتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ان کی آنکھوں سے ابھی دریائے سرشک
جاری ہونے والا ہے شعر یہ ہے ؎

مکن تغافل ازیں بیشتر کہ مے ترسم — گماں برند کہ ایں بندہ بے خداوند است

ایک رات حضرت خواجہ الہٰ بخشؒ کو لوگوں نے دیکھا کہ روتے تھے اور اس شعر
کو بار بار پڑھتے تھے ؎

قرب روحی دارم و بعد بدنی — ہمچو در حب نبی حال اویس قرنی

شیخ ابوسعید ابوالخیر نیشاپوریؒ[1] کے پاس محمد ابونصر حبیبی ساکنہ مرو (ماوراء النہر)
نے اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے ایک قاصد بھیجا کہ آثار محو ہو جاتے ہیں
یا نہیں شیخ نے جواب میں یہ دو شعر لکھوا بھیجے ؎

جسم ہمہ اشک گشت و چشم بگریست — در عشق تو بے جسم ہمے باید زیست
از من اثرے نماند ایں عشق ز چیست — چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

جب ابونصر نے یہ اشعار پڑھے تو ایک نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ چھ دن حالت
استغراق میں رہے اور ساتویں دن انتقال کر گئے۔

ہرات کی جامع مسجد میں ایک درویش محمد چپ گر رہا کرتے تھے عام لوگ ان کے
باطن سے لاعلم تھے۔ ایک رات پانی کا لوٹا ان سے گر پڑا۔ خادم مسجد نے سمجھا کہ پیشاب

---

[1] تمام مشائخ ان کے گرویدہ تھے۔ ان کا انتقال ۴ شعبان ۴۴۰ھ کو ہوا ہے۔ نفحات الانس

کر دیا ہے اس پر اتنا زدو کوب کیا کہ ان کے اعضا زخمی ہو گئے۔ وہ ایک گرم آہ کھینچ کر جملہ فروشوں کے بازار میں چلے گئے۔ تمام مسجد لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ اس کو آگ لگ گئی۔ سلطان مجدد الدین طالبہ گو کہ توکل و تقدس میں یکتا تھے خبر ہوئی اس درویش کے پیچھے دوڑے گئے۔ آخر بازار میں جا پکڑا اور کہا مسلمانوں کے شہر کو کیوں جلاتے ہو۔ ان کو واپس لائے۔ درویش نے اپنی آنکھ کے آنسو آگ پر گرائے اور نہایت سوز و گداز سے یہ رباعی پڑھی ؎

آں آتش دوسیش کہ برافروختہ بود　　　او سوختن از دلِ من آموختہ بود
گر آب دو چشم من نداوی یاری　　　چہ جملہ فروشاں کہ ہرے سوختہ بود

خدا کی قدرت سے آگ فرو ہو گئی۔

شیخ الاسلام احمد النامقی الجامی[1] جوانی ہی میں خاصان خدا میں ہو گئے تھے ایک دفعہ پہاڑ سے نیچے اُترے۔ اور شراب کے مٹکوں کو توڑنا شروع کیا۔ کوتوال کو خبر ہوئی۔ اس نے مکان سے باہر نکال کر گھوڑوں کے طویلے میں بند کر دیا آپ کھرلی پر بیٹھ گئے۔ کھرلی پر اور اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارتے تھے۔ اور درد دل سے بیتاب ہو کر پڑھتے تھے ؎

اُشتر بہ خراس مے بگرود صد گرد　　　تو نیز زبہر اوست گردی برگرد

فرماتے ہیں یہ شعر سُنکر اور میری مستی دیکھکر گھوڑوں نے چارہ چھوڑ دیا اور اپنے سروں کو دیوار سے مارنے لگے اور ان کی آنکھوں سے قطرات اشک ٹپکنے لگے سائیس یہ حال دیکھکر گھبرایا اور خوف زدہ ہو کر کوتوال کے پاس دوڑا گیا وہ آیا اور مجھ سے معافی مانگی۔ اور میں آزاد ہو کر پھر پہاڑ پر چلا گیا۔

حضرت خواجہ سید محمد بندہ نواز گیسو دراز دہلوی[2] کے متعلق لمعاۃ الاسرار میں

---

[1] آپ بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے۔ تاریخ ولادت ۴۴۱ھ اور سال وفات ۵۳۶ھ ہے نفحات الانس
[2] آپ ۴ رجب ۷۲۱ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید تھے۔ ایکسو پانچ سال کی عمر میں ۸۲۵ھ کو گلبرگہ (دکن) میں وفات پائی۔ مزار پاک وہیں مرجع خلائق ہے۔

لکھا ہے کہ آپ نے ایک دن یہ رباعی پڑھی اور ساتھ ہی آنسو نکل آئے ؎

آن بہ کہ نظر باشد و گفتار نباشد   تا مدعی اندر پس دیوار نباشد

میخواہم معشوق زمانے وز ہینے   من باشم و او باشد و اغیار نباشد

حضرت گیسو دراز رح سماع کے متعلق فرماتے ہیں مجلس سماع میں یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ ایک ہی شعر پر سارے کے سارے جوش و خروش میں آجائیں۔ بلکہ جو جس شعر سے حظ اُٹھاتا ہے سب کے سب اسی سے محظوظ ہوں۔ بلکہ جو جس کے دل میں گھر کر جائے وہی اسی کے لئے وجد اور بیخودی کا سبب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہمارے والد سمیت سات صوفیوں کے مجمع میں ایک قوال نے شیخ سعدیؒ کی ایک غزل کے مندرجہ ذیل سات شعر پڑھے۔ اور ہر ایک شعر پر ہر اک کو علیحدہ علیحدہ وجد ہوا۔ اور ہر اک نے الگ الگ جوش و خروش ظاہر کیا۔ اشعار حسب ذیل ہیں ؎

جاں ندارد ہر کہ جانانیش نیست   تنگ عیش است آنکہ بستانیش نیست

ہر کرا صورت نہ بند د سترِ عشق   صورتے دارد ولے جانیش نیست

گر ولے داری بجانانش سپار   ضائع آن کشور کہ سلطانیش نیست

کامراں آں دل کہ محبوبیش ہست   نیک بخت آن سر کہ سامانیش نیست

عارفاں درویش صاحب درد را   بادشاہ خوانند اگر نانیش نیست

ہر کرا با ماہ روئے سر خوش است   دولتے دارد کہ پایانیش نیست

خانہ زنداں است و تنہائی ملال   ہر کہ چوں سعدی گلستانیش نیست

شیخ اوحدالدین کرمانی کا قاعدہ تھا کہ جب وہ سماع کی حالت میں بہت گرم ہوتے تو لوگوں اور خصوصاً نوجوان لڑکوں کے پیراہن پھاڑ ڈالتے اور ان کے سینوں پر اپنا سینہ رکھتے۔ جب بغداد میں پہنچے تو خلیفہ وقت کا لڑکا بڑا حسین تھا۔ اس نے یہ بات سنکر آپ پر بدعتی اور کافر ہونے کا فتویٰ لگا دیا۔ اور کہا اگر میری مجلس میں ایسی حرکت کرے تو فوراً قتل کرا دوں۔ آخر شہزادے کی مجلس بھی گرم ہوئی۔ شیخ وہاں گئے۔ جب سماع

گرم ہؤا تو شیخ نے جوش وخروش کے عالم میں یہ رباعی پڑھی ؎

سہل است مرا بر سر خنجر بودن | دریائے مراد دوست بسر بودن
تو آمدۂ کافرے را بکشی | غازی چو توئی روا ست کافر بودن

اس رباعی کے سننے سے خلیفہ کے بیٹے کی حالت دگرگوں ہوگئی۔ بے تاب ہو کر ان کے قدموں پر گر پڑا۔ اور ارادت مندوں میں داخل ہوگیا۔

مولانا محمد شیریں مشہور بہ مغربی شیخ اسمٰعیل سیسی کے مرید اور شیخ کمال خجندی کے معاصر تھے۔ ایک مرتبہ شیخ خجندی نے ایک قصیدہ کہا۔ اور جب اس کا یہ شعر ؎

چشم اگر این است وابرو این وناز وعشوہ این
الوداع اے زہد وتقویٰ الفراق اے عشق ودین

مولانا کو اس شعر سے خاص لذت حاصل ہوئی۔ مگر فرمایا ایسے بڑے بزرگ کی زبان سے ایسا شعر نہ نکلنا چاہیے جس کے معنے مجازی کا احتمال رکھتے ہوں۔

ایک دفعہ مولانا کے مرشد شیخ اسمٰعیل سیسی نے مجلس گرم کی۔ مولانا کو بھی طلب کیا انہوں نے ایک غزل پڑھی جس میں سے چند شعر حسب ذیل ہیں ؎

دیدیم کہ اینہا ہمہ خوابست وخیالست | مردانہ ازیں خواب وخیالات گذشتیم
با ما سخن از کشف وکرامات چہ گوئی | چوں ما ز سر کشف وکرامات گذشتیم
اے شیخ اگر جملہ کمالاتِ تو اینست | خوش باش کزیں جملہ کمالات گذشتیم
اینہا بحقیقت ہمہ آفات طریق اند | ما در طلب از جملۂ آفات گذشتیم
ما از پئے نورے کہ بود مشرق انوار | از مغربی وکوکب ومشکوات گذشتیم

شیخ نے اپنے باکمال مرید کی اس غزل پر بڑی خوشنودی ظاہر کی۔ کئی شعر بار بار پڑھوائے۔ مجلس میں وہ رنگ آگیا کہ بقعۂ نور معلوم ہوتی تھی۔ ہائے وہو کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ اور حاضرین پر ایک وجد سا طاری تھا۔

مولانا نے بعمر ۶۰ سال ۸۰۹ھ میں وفات پائی۔

مولانا نارو دم تو سماع ومزامیر کے عاشق تھے شعراءِ شمار تو ایک طرف وہ اگر

ڈھولک کی صدا ابھی سُن پاتے تھے تو مستی کے عالم میں آجاتے تھے۔ اُن کا دیوان اگر تمام وکمال نہیں تو اس کا بہت بڑا حصہ حالت سماع ہی میں لکھا گیا ہے۔ وجد توان کے نزدیک معمولی بات تھی۔ جب وہ دل میں چُبھ جانے والا کوئی شعر سنتے یا خود ہی پڑھتے۔ تو اچھلتے کودتے اور رقص کرتے اور چرخ کھایا کرتے تھے۔ اور اسی حالت میں غزلوں کی غزلیں مرتب ہو جاتیں۔ خلفا اور عقیدتمند بیٹھے رہتے تھے اور جب کچھ ارشاد ہوتا تھا تو لکھ لیتے تھے۔ آپ سے کسی نے پوچھا وجد کیا چیز ہے۔ فرمایا وجد روح کی بیقراری ہے جو غلبۂ شوق کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور جن لوگوں نے آپ کے سوانحات عمر کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ اس بات کی شہادت دے سکتے ہیں کہ آپ کی روح غلبہ شوق کی وجہ سے ہر وقت بے قرار رہا کرتی تھی۔

حاجی بیگتاش خراسانی باوجود عارف اور روشنضمیر ہونے کے مولانا کی متابعت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کے حال وقال کے خلاف تھے۔ انہوں نے اپنے نقیب بابا اسحاق اور چند مریدوں کو مولانا کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا تم کیا کر رہے ہو کیا طلب کرتے ہو۔ اور یہ غوغا تم نے ایک عالم میں کیوں ڈال رکھا ہے۔ اگر تمہارا مطلب حاصل ہو گیا ہے تو خاموش رہو۔ اور اگر مدعا حاصل نہیں ہوا تو یہ کیا ہنگامہ ہے۔ تم نے بہت لوگوں کے کاروبار بند کر دیئے ہیں۔ جس وقت بابا اسحاق حاجی خراسانی کا پیام لے کر آئے مولانا سماع میں تھے۔ ابھی انہوں نے کوئی واقعہ بیان نہیں کیا تھا کہ سماع شروع ہوا اور مولانا نے عالم بیخودی میں یہ رباعی پڑھی ؎

اگر تو یار نداری چرا طلب نکنی ۔۔۔ وگر بیار رسیدی چرا طرب نکنی

بکاہلی بنشینی کہ ایں عجب کاریست ۔۔۔ عجب توئی کہ ہوائے چنا لعجب نکنی

بابا اسحاق اور حاجی بیگتاش کے مرید یہ رباعی سنکر نعرے مارتے تھے اور بے خود و بے ہوش ہو ہو جاتے تھے۔ آخر بغیر ادائے مطلب واپس چلے گئے۔ اور حاجی خراسانی معہ اپنے مریدوں کے مولانا کے معتقدوں میں داخل ہو گئے۔

ایک دفعہ مجلس گرم تھی۔ سماع زور شور سے ہو رہا تھا۔ اور مولانا حالت رقص و

وجد میں غزل کہے جاتے تھے جس کے چند شعر لکھے جاتے ہیں ؎

اگر حریف منی بس بگو کہ دوش چہ بود | میان این دل و آن یار میفروش چہ بود
دگر بچشم ندیدی جمال ماہ رویش | مرا بگو کہ در آن حلقہائے گوش چہ بود
اگر فقیرے و ناگفتہ راز مے شنوی | بگو اشارت آن ناطق خموش چہ بود

معین الدین پروانہ معہ اُمرا کے مجلس میں حاضر تھا۔ وہ اک اک شعر پر لوٹتا تھا۔ اور حظ وجدانی حاصل کرتا تھا۔ مناقب عارفین میں لکھا ہے کہ وہ ایسا بیخود ہُوا کہ مجال کلام نہ رہی اور وہاں سے رخصت ہو کر چلا گیا۔ ملکہ گرجی خاتون مولانا کا حد سے زیادہ ادب و احترام کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ان کو قیصریہ جانا پڑا۔ عین الدولہ مشہور نقاش کو مولانا کی تصویر اُتارنے کا حکم دیا۔ تاکہ سفر میں اس سے تسکین خاطر ہو۔ وہ حاضر ہُوا۔ مولانا نے فرمایا۔ تصویر کھینچ سکتے ہو تو کھینچ لو۔ مولانا کھڑے ہو گئے اس نے تصویر بنانی شروع کی لیکن جب صورت ملائی تو زمین آسمان کا فرق نکلا۔ پھر تصویر بنائی۔ پھر وہی حال غرض بیس مرتبہ کوشش کی۔ لیکن ہر مرتبہ دوسری ہی شکل نظر آتی تھی۔ آخر حیرت سے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ قلم پھینک دیا۔ اور مولانا کے قدموں پر گر پڑا۔ مولانا نے کہا یوں نہیں سماع کا حکم ہُوا۔ اور خود یہ غزل پڑھنی شروع کی ؎

آہ چہ بے رنگ و بے نشاں کہ منم | کہ بہ بینی مرا چناں کہ منم
گفتی اسرار در میاں آورد | کو میاں اندریں میاں کہ منم
کے شود ایں روان من ساکن | این چنیں ساکن رواں کہ منم
بحر من غرقہ گشت ہم در خویش | بوالعجب بحر بیکراں کہ منم

عین الدولہ جو پہلے متحیر تھا اب روتا تھا اور ایک ایک مصرع پر نعرے مارتا تھا۔

ایک دفعہ معین الدین پروانہ کے ہاں سماع کا جلسہ تھا۔ مولانا اور شیخ صدر الدین کے علاوہ اور بہت لوگ موجود تھے۔ حالت سماع میں شیخ صدر الدین نے بے خود ہو کر یہ رباعی پڑھی ؎

بے تو جز از آیت منزل کہ کند — مافوق ہیچ را امعتل کہ کند

ہر نکتہ کہ در شیوۂ تحقیق اُفتند — اے کاشف اسرار بگو حل کہ کند

شیخ صدر الدین چلا کر یہ رباعی پڑھتے تھے۔ اپنا منہ مولانا کے قدموں پر ملتے تھے۔ اور روتے تھے۔ ایک دن مدرسہ میں سماع تھا اور یہ غزل پڑھی جا رہی تھی ؎

چناں گشتم ز مستی و خرابی — کہ خاکی را نمیدانم ز آبی

درین خانہ کسے دانم کسے را — تو ہشیاری بیا۔ باشد بیابی

ہمیں دانم کہ مجلس از تو برپاست — نمے دانم شرابی یا کبابی

مولانا کو اس قدر وجد ہوا کہ سب کپڑے قوالوں کو دیدیئے۔ اور رقص کرنا شروع کر دیا۔ ناگاہ آزار کی گرہ کھل گئی۔ حسام الدین چلپی نے دوڑ کر گود میں لے لیا۔ اور عبا پہنا دی۔ مناقب العارفین میں لکھا ہے کہ مولینا کو تین دن تک استغراق رہا۔

جب مولانا کو شمس الدین تبریزی کے شہید ہونے کی خبر پہنچی۔ نہایت رنج کیا خدام بھی موجود تھے انہوں نے بھی بہت قلق ظاہر کیا۔ مولانا نے حکم دیا قوال بلاؤ وہ آئے اور یہ غزل شروع ہوئی ؎

قد رغم گر چشم سر بگریستی — روز و شبہا تا سحر بگریستی

شمس تبریزی برفت و کو کسے — تا بروں فخر البشر بگریستی

مولانا اور آپ کے خدام بہت روئے۔ یہاں تک کہ دامن اشکوں سے تر ہو گئے۔

ایک روز مولانا شدت جوش میں زرکوں (ورق سازوں) کی دکان کے پاس سے گزرے ہتھوڑوں کی آواز نے آپ کے دل میں اک آگ سی لگا دی اور آپ وہاں رقص کرنے لگے۔ اندر سے شیخ صلاح الدین زرکوب جو مولانا کے با اخلاص اور کامل ترین مریدوں میں سے تھے۔ باہر نکلے۔ اور آپ کی حالت دیکھ کر قدموں پر گر پڑے۔ اور اپنے آدمیوں سے کہا خبردار ہتھوڑوں کا ہاتھ نہ رکے خواہ تمام سونا ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اتفاق سے قوال بھی آ گئے۔ انہوں نے ساز چھیڑا اور مولینا نے اپنا سوز اس غزل کے ذریعہ ظاہر کیا ؎

بیکے گنجے پدید آمد در آں دکان زرکوبی   زہے صورت زہے معنے زہے خوبی زہے خوبی

باہر حال وقال کی مجلس گرم تھی بازار رک گیا اور رستہ بند ہو گیا تھا۔ اور اندر یہ کیفیت تھی کہ باوجود اس قدر چوٹیں پڑنے کے سونا ذرا بھی خراب نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ہر طرف سنہری ورقوں کا ڈھیر لگ گیا تھا۔ شیخ صلاح الدین نے یہ حالت دیکھ کر کپڑے پھاڑ ڈالے۔ ساری دکان روز روشن میں لٹا دی۔ اور اس دن سے پھر دوکان پر نہ بیٹھے۔ اور اپنے آخری دم (یعنے اس واقعہ سے دس سال بعد) تک مولانا کے حضور میں رہے۔

مولانا کے انتقال کے بعد مولانا شرف الدین کے استاد قاضی سراج الدین ایک دن مولانا کی قبر پر گئے اور مندرجہ ذیل شعر پڑھے ؎

کاش آں روز کہ در پائے تو شد خار اجل   دست گیتی بزدے تیغ ہلاکم بر سر
تا دریں روز جہاں بے تو ندیدے چشمم   ایں منم بر سر خاک تو کہ خاکم بر سر

مولانا شرف الدین کا بیان ہے کہ ان شعروں کا زبان سے نکلنا تھا۔ کہ آنسوؤں نے تار باندھ دیا۔ بار بار پڑھتے تھے۔ اور جنبش کھا کھا کر روتے تھے۔

مولانا جب علیل ہوئے اور خدام کو مرض کی طوالت سے جب خوف دامنگیر ہوا تو کہا آپ تمام جہان کی جان ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلد آپ کو شفا عطا کرے۔ مولانا نے فرمایا اب شفا تمہیں مبارک رہے معشوق اور عاشق کے درمیان صرف بال برابر کا پردہ رہ گیا ہے۔ پھر ایک غزل شروع کی جس کا مطلع یہ ہے ؎

چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہے ہمنشیں دارم   رخ زریں من منگر کہ پائے آہنیں دارم

شیخ صدر الدین قونوی مع علما اور درویشوں کی ایک جماعت کے حاضر تھے مناقب العارفین میں لکھا ہے کہ شیخ اس غزل پر اپنے ساتھیوں سمیت روتے تھے کپڑے پھاڑتے تھے اور فریاد وزاری کرتے تھے

انتقال کے دن مولانا کی عجیب حالت تھی۔ پانی کے ایک طشت میں پاؤں دراز کر لئے۔ پھر اس طشت سے پانی لے کر اپنے سینہ اور چہرہ پر ملتے تھے۔ اور یہ

اشعار پڑھتے تھے ؎

دوست یک جام پر از زہر بر آورد بہ پیش　　　زہر چوں از کف او بود بشادی نوردیم

بہ دروں بر فلکیم بہ بدن زیر زمیں　　　بصفت زندہ شدیم ارچہ بظاہر مردیم

ایں دو خانست دو منزل بہ یقین ملک و لت　　　خدمت او کن و خوش باش کہ خدمت کردیم

صاحب مناقب العارفین لکھتے ہیں کہ ان اشعار پر آپ کے سب اصحاب چیخیں مار مار کر روتے تھے۔

مولانا کے چالیسویں تک بادشاہ اور وزیر سب نے سوگ منایا۔ امرا فقرا روزمرہ عرس کرتے اور حالت وجد و سماع میں اپنے غم و الم کا اظہار کرتے تھے۔ صاحب مناقب العارفین لکھتے ہیں اسی زمانہ میں ایک درویش کہ نہ کسی مجلس میں جاتا تھا اور نہ کہیں ٹھیرتا تھا یہ رباعی رو رو کر پڑھا کرتا تھا۔ اور اوروں کو رلایا کرتا تھا ؎

اے خاک نہ در دل نے آرم گفت　　　کامروز اجل در تو چہ گوہر بہ نہفت

دام دل عالمے فتادت در دام　　　دلبند خلائقے در آغوش تو خفت

سلطان العارفین حضرت امیر عارف[۲] ایک دفعہ مسعود بیگ کے جلسۂ سماع میں گئے۔ جس میں بڑے بڑے علما اور مشائخ بھی موجود تھے۔ ان میں ایک ترک شیخ بھی تھا جس پر ترکوں کو بہت اعتقاد تھا وہ آیا اور بغیر کسی سے سلام علیک کے سب سے صدر میں جا کر بیٹھ گیا۔ سماع شروع ہوا۔ حضرت امیر عارف کو جنبش ہوئی جنبش سے وجد اور وجد سے وہ حالت ہو گئی کہ ترک شیخ کا گریباں کھینچتے تھے۔ اور یہ رباعی پڑھتے تھے ؎

عشاق قدم چو در نیست نہند　　　از ہستی غیر دوست کلی برہند

---

[۱] مولانا جلال الدین رومی رح کا انتقال ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ کو ہفتہ کے دن غروب آفتاب کے وقت ہوا۔

[۲] حضرت امیر عارف حضرت مولانا جلال الدین رومی رح کے پوتے اور حضرت سلطان ولد کے صاحبزادے تھے ۵ ذوالقعدہ ۶۷۰ھ کو پیدا ہوئے ۴۹ سال کی عمر میں ۷۱۹ھ میں وفات پائی حضرت سلطان ولد آپ کے والد نے آپ کی نسبت فرمایا ہے کہ میر عارف دریائے ولایت ہے اور والد ماجد (یعنی مولانا روم رح) کے نور سے مالا مال ہے

زیں زندگی[1] فانی کردند و عاشقانہ بجہند

علما اور مشائخ پر بھی رقت کا عالم طاری تھا۔ ترک شیخ کا گریبان چھوڑا تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑا منہ سے کف جاری ہو گیا۔ دو روز اسی حالت میں رہا۔ اور تیسرے دن فانی کردند و عاشقانہ بجہند کا مصداق ہو گیا۔

مولانا علاؤ الدین امالوی ایک جامع فنون الفضائل بزرگ گزرے ہیں۔ انہوں نے ایک دن سماع کی مجلس گرم کی۔ حضرت امیر عارف رح بھی یک بیک اپنی خلوت گاہ سے آ نکلے۔ اور یہ رباعی پڑھی۔

آنہا کہ بر آسمان دولت ماہند   بر تختۂ شطرنج ملامت شاہند
وانہا کہ ز سِرّ این سخن آگاہند   گمراہ خلائق اند و بر راہند

اس رباعی نے سماع کی کیفیت ہی کچھ اور کر دی۔ حضرت عارف نے ایسا نعرہ مارا کہ سب بے خود ہو گئے۔ مناقب العارفین میں لکھا ہے کہ ان کے نعرے کی آواز شیر کی گرج کی طرح معلوم ہوتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب یہ رباعی پڑھی گئی ؎

آنانکہ دریں راہ ———   اندر نظر اہل صفا ابلیس اند
در دفتر عاشقاں اگر راست آئی   در صفحۂ تو آیت سرہنویسند

مکان کے نیچے دریا بہتا تھا۔ ان اشعار سے دل پر وہ چوٹ لگی کہ عالم اضطراب میں دریچہ سے دریا میں کود پڑے۔ مولانا عماد الدین اور شیخ حسام الدین مکی نے بھی ساتھ دیا۔ خدا کی قدرت سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ بلکہ حضرت امیر نے فرمایا تم لوگ کیوں آئے۔ مولانا کو یہ لوگ دریا سے باہر لائے۔ مولانا نے باہر آ کر حکم دیا۔ کہ سماع پھر شروع ہو اور اس غزل کی قوالوں کو فرمائش کی ؎

بسوز ایم سود او جنوں را   در آشامیم ہر دم موج خوں را
شراب صاف سلطاں را بریزم   بخورابانیم عقل ذو فنوں را

بہت نعرے مارے۔ بہت تڑپے۔ آخر زبردستی سماع بند کرایا گیا۔ اور جب جا کر آپ

---

[1] اصل کتاب میں یہ مصرع ناتمام ہے۔ سے ۲ اصل کتاب میں اسی طرح لکھا ہے۔

کو سکون حاصل ہوا

حضرت امیر عارف نے یاران دلنواز کو اپنے وصال کی پہلے ہی خبر دیدی تھی۔ ایک دن فرمایا۔ حضرت مولانا روم رحؒ خواب میں تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں۔ اب تمہارے قیام کی مدت پوری ہوگئی ہے معلوم ہوتا ہے اب ہمارے کوچ کے دن نزدیک ہیں اسی دن طبیعت کی بے قراری سے اپنے بعض اصحاب کے ساتھ باہر ٹہلنے کے لئے نکل گئے۔ سیر کرتے تھے اور ایک غزل جس کے دو شعر لکھے جاتے ہیں پڑھتے جاتے تھے ؎

ہر نفس آواز عشق میرسد از چپ و راست	ما بفلک میرویم عزم تماشا کراست
ما بفلک بودہ ایم یار ملک بودہ ایم	باز ہماں جا رویم جملہ کہ آن شہر ماست

حضرت خود بھی روتے تھے نعرے مارتے تھے اور ان کے اصحاب بھی گریہ و زاری میں مشغول تھے۔ طبیعت کو جب زیادہ بے چینی ہوتی تو حضرت مولانا روم کی تربت پر گئے۔ سماع شروع کرایا اور جب یہ رباعی پڑھی گئی ؎

در کوئے دل آرام بسر باید رفت	وز ہستیٔ خویشتن بدر باید رفت
گستاخ نہ باید بر آں مہ رفتن	با چہرہ زرد و چشم تر باید رفت

صاحب مناقب العارفین لکھتے ہیں کہ اس رباعی پر اس قدر شور و فریاد کی کہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے اصحاب بھی فریاد و فغاں ظاہر کرتے اور نعروں سے قیامت برپا کر رہے تھے۔ اس واقعہ سے پچیس دن کے بعد آپ واصل بحق ہو گئے۔

۲۴ ذی الجۂ ۱۰۱۸ھ مطابق ۱۰ مارچ ۱۶۱۱ء کو دہلی کے سرکاری قوالوں کی ایک جماعت مجلس شاہ (شہنشاہ جہانگیر کے دربار) میں سرود گاتی تھی۔ حضرت امیر خسرو کے اس شعر پر ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے	من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

سیدی خاں (ایک درباری امیر) وجد کر رہا تھا۔ بادشاہ نے ملا علی احمد مہر کن سے پوچھا اس شعر کی اصلیت کیا ہے۔ اس نے عرض کیا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیا گوشۂ سر پر کلاہ کج رکھے ساحل دریائے جمنا کے کنارے ایک کوٹھے پر بیٹھے ہوئے ہندوؤں

کے طریق عبادت و پرستش کو ملاحظہ فرمارہے تھے۔ حضرت امیر خسرو بھی حاضر تھے حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین اولیانے یہ مصرع ؏

ہر قوم راست راہے دینی و قبلہ گاہے۔

پڑھکر فرمایا۔ دیکھتے ہو یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ امیر خسرو نے بلا تامل عرض کیا ؏

من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

یہ مصرع پڑھتے ہی ملا علی احمد کے بدن میں آگ لگ گئی رعشہ۔ آیا اور سمت کج کلاہ سمت کج کلاہ کہتا ہوا واصل بحق ہو گیا۔ بادشاہ کی طبیعت پر اس واقعہ عجیب سے بہت بڑا اثر پڑا[1]۔

حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی کے محبوب و مرغوب شہزادہ مبارک خاں ابن سلطان غیاث الدین محمد بادشاہ دہلی) کو ایک فوجی سپاہی نے جنگل میں اکیلا دیکھ کر قید (نظر بند) کر لیا۔ شیخ کو خبر ہوئی۔ دل کی رہنمائی سے سپاہی کے مکان کے پاس جا پہنچے۔ اور ایک غزل کمال بیقراری کے ساتھ پڑھنے لگے۔ جس کے چار شعر ذیل میں درج ہیں ؎

غیرت از چشم صنم روئے تو دیدن ندہم گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد تا نہ بینم رُخ تو روح رمیدن ندہم

گر بہائے سرِ موئے دو عالم بدہند یعلم اللہ کہ سرِ موئے تو دیدن ندہم

گر بدام دل من آید آن عنقا بانہ گرچہ صد حملہ کند بانہ پریدن ندہم

سپاہی بہت کج فہم تھا۔ اور عزم بالجزم کر چکا تھا کہ شاہزادہ کو حضرت شیخ کے حوالے نہیں کرونگا۔ لیکن حضرت شیخ کے بے تابانہ اور دردناک اشعار نے اس کے دل میں تڑپ پیدا کر دی۔ اور بے خود ہو کر اس نے شاہزادہ کو آزاد کر دیا۔

حضرت قلندر جب قیام گاہ پر تشریف لائے تو اتفاق سے ایک قوال موجود تھا۔ اس نے آپ کو اس طرح فرحاں و شاداں دیکھکر یہ اشعار گائے ؎

---

[1] یاد رفتگاں نوتن میم۔

اگر بینم شبے ناگہ من آں سلطان خوباں را | سرے در پائے وے آرم فدا سازم دل و جاں را
بپرسم از رہ یاری کہ جاناں چوں نہ آمد | کجائی گفت نے بینم دو چشم مست غلطاں را

کچھ آواز کی شیرینی۔ کچھ اشعار حسب حال۔ اور سب سے بڑھکر دل میں درد۔ اس اتحاد ثلاثہ سے وہ ذوق و شوق ہوا کہ بیقرار ہو کر وجد کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب افاقہ ہوا تو قوال کو اس خوشی میں اپنی خاص سواری کا گھوڑا بطور انعام عطا فرما دیا۔

حضرت شہنشاہ مشکل کشا خواجہ خواجگان سید نقشبند بخاری رح فرماتے ہیں ابتدائے حال میں قریباً چھ ماہ تک عالم باطن سے مجھے فیض نہ پہنچا۔ خدا کی جناب سے ناامید تو نہ ہوا لیکن عنایات الٰہی کے دروازے بند دیکھکر دل کچھ پژمردہ سا ہو گیا۔ اسی حال میں ایک مسجد کی طرف گذر ہوا جس کے دروازہ پر یہ شعر لکھا ہوا تھا ۔

ایدوست بیا کہ ما تراائیم | بیگانہ مشو کہ آشنائیم

یہ شعر پڑھتے ہی میرے دل کی عجیب کیفیت ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شعر پڑھنے والا میرے سامنے کھڑا ہے۔ گنج معانی و معرفت کے تمام دروازے خودبخود کھل گئے ایک نامعلوم سرور تھا۔ جو کیف و وجد میں لا رہا تھا۔ دل کی تمام تنگی کشادگی سے بدل گئی اور ساری پژمردگی جاتی رہی۔

حضرت خواجہ علاؤالدین قدس سرہٗ[۱] ایک مرتبہ بخارا میں قیام پذیر تھے۔ رویت حق سبحانہٗ کے معاملہ میں بحث تھی۔ چند علما خلاف تھے۔ اور چند موافق آخر فریقین نے آپ کو حکم مقرر کیا۔ آپ نے منکران رویت سے فرمایا تم تین دن متواتر میرے پاس آتے رہو۔ میں آخری دن اپنا فیصلہ تم کو سناؤنگا وہ جماعت دو دن برابر آتی رہی اور ان کے حکم کے مطابق باطہارت ساکت بیٹھتی رہی۔ تیسرے دن جب منکرین کی جماعت آئی۔ تو خواجہ عطار جلال میں آئے۔ نگاہ تیز ہو گئی۔ آنکھوں سے خون برسنے لگا۔ اور اس شعر کو بہ زور اور باآواز بلند پڑھنا شروع کیا ۔

---

[۱] مرید اور داماد حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند مشکل کشا۔ آپ کی وفات ۸۰۲ھ ۲۰ رجب کو ہوئی مزار نوچغانیاں میں واقع ہے۔

کوری آنکہ گوید ست بندہ ۔ حق کجا رسد بر کفِ ہر یکے بنہ شمع صفا کہ ہم چنیں

رشحات میں لکھا ہے کہ منکرین کی عجب حالت ہو گئی بیخود ہو کر زمین پر لوٹتے تھے اور کانوں کو ہاتھ لگا کر رویت حق۔ حق کے نعرے لگاتے تھے۔

خواجہ محمد پارسا رح حضرت خواجہ علاء الدین عطار کو نہایت عزیز رکھتے اور التفات خاطر فرمایا کرتے تھے۔ خواجہ محمد پارسا فرماتے ہیں کہ جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو نصیحت حکمت اور دعائے خیر خلق کے علاوہ نہایت ذوق شوق اور وجد و رضا میں آکر بار بار یہ شعر زبان مبارک پر لاتے تھے ؎

مانیستانیم و عشقت آتش است منتظر کاں آتش اندر نے رسد

ستمبر ۱۸۹۹ء کے ابتدائی ہفتہ میں حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ کا عُرس تھا حضرت مستان شاہ کابلی رح[1] بھی عرس میں شریک ہوئے۔ قوالوں نے دیوان آتش کدۂ وحدت سے آپ کی مندرجہ ذیل غزل گائی ؎

نیم کرشمہ ناز دہ نرگس نیم مست را مست شراب غمزہ کن بادہ کش الست را

در شکنانِ طرّہ ات بستہ دل شکستگان تا نشود چو زلف تو تاب مدہ شکست را

بُرقع ز روئے بر کشا پردۂ زلف باز گیر عارض حق نما۔ نما عاشق حق پرست را

قامت تو قیامت است ہر نگہ تو محشر است محشر تازہ کن بیا چشم سیاہ مست را

اللہ اکبر اِس وقت کے عالم کا بیان بمشکل تحریر میں آسکتا ہے۔ تمام محفل میں فی الواقعہ محشر کا نمونہ قایم تھا۔ اور ایک ایک شعر پر حالت ذوق و شوق میں چاروں طرف سے ہُو حق کے نعرے بلند ہو رہے تھے عالم ذوق و مستی میں کسی کو اپنے حال کی خبر نہ تھی۔ اور حضرت مستان شاہ رح تو وجد و کیفیت کا ایک صحیح اور اصلی نمونہ دکھا رہے تھے۔ (ملاحظہ ہو اخبار گلزار ہند لاہور مورخہ ۹ ستمبر ۱۸۹۹ء)

---

[1] حضرت مستان شاہ رح کا مزار دہلی میں واقعہ ہے۔ - - - - - - - - - - - - مولوی محرم علی صاحب چشتی سابق ایڈیٹر رفیق ہند لاہور ان کے مرید صادق ہر سال ان کا عُرس نہایت دھوم دھام سے کرتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحہ کے متعلق حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی زبدۃ المقامات میں لکھتے ہیں کہ آپ جب مولوی حسن کشمیری کی وساطت سے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں بمقام دہلی ۱۰۰۸ھ میں پہنچے۔ تو یہ شعر اکثر آپ کے ورد زبان رہتا تھا

ازیں نورے کہ از تو بر دلم تافت یقیں دانم کہ آخر خواہمت یافت

چنانچہ تھوڑی ہی مدت میں آپ درجہ کمال کو پہنچ گئے

میاں خواجہ بخش قوال سکنہ بیلی بھیت حضرت حاجی شاہ محمد شیر رحہ کا درباری قوال تھا مجلس سماع گرم تھی۔ یہ غزل پڑھی گئی ؎

دیدہ لبریزم سراپا انتظار کیستم شوق دیدار بچہ دارم بے قرار کیستم

گشتۂ آں خال مشکین بستۂ زلف سیاہ گر مسلمان نیستم زنار دار کیستم

بیقرار کیستم نے دلوں کو تڑپا دیا۔ اور اہل مجلس کے خرمن صبر و قرار پر ایک بجلی گرا دی۔ اللہ ہو کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ اور ان دلوں کو گرما اور تڑپا جاتے تھے جنہیں قسام ازل نے سوز و گداز کی کچھ تقسیم کی ہے۔

شیخ ابو سعید ابو الخیر اپنے پیر طریقت شیخ ابو الفضل بن حسن سرخسی کے مزار پر ایک مرتبہ گئے۔ ایک جماعت ساتھ تھی۔ شرح صدر نے تنگیٔ خاطر کو دور کر کے حالت متغیر کر دی۔ قوال بھی ساتھ تھا۔ اس نے جب یہ شعر پڑھا ؎

معدن شادی ست این یا معدن مجد و کرم قبلۂ ما روئے یار و قبلۂ ہر کس حرم

تو شیخ ابو سعید نے ایک نعرہ مارا۔ لوگوں نے ان کے ہاتھ پکڑ لئے۔ وہ قبر کے گرد طواف کرتے تھے۔ اور نعرے لگاتے تھے۔ درویشوں کی بھی یہی کیفیت تھی۔ سر و پا برہنہ خاک میں لوٹتے تھے[۱]

حضرت شیخ عبد العزیز خلف اکبر سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی صاحبان ذوق و شوق سے تھے[۱]۔ جوانی کی حالت میں سماع کے جوش میں انتقال فرمایا۔ جس کی کیفیت یہ ہے کہ کسی فقیر کے ہاں سماع تھا۔ آپ بھی مجلس میں شریک تھے۔ قوالوں نے

---

[۱] بڑے عالم فاضل اور صاحب حال تھے۔ ۲۲ شعبان ۱۱۰ھ کو ۲۸ سال ۴ ماہ کی عمر میں انتقال فرمایا[۲] نفحات الانس

ایک غزل شروع کی جب اس شعر پر پہنچے ؎

جاں بدہ و جان بدہ و جان بدہ فایدہ از گفتنِ بسیار چیست

آپ یہ شعر سنکر تڑپ اٹھے۔ بلند آواز سے ایک آہ کی اور جان بحق تسلیم ہوگئے۔
شاہ محمد یونس صاحب تنجاروی رح اپنی کتاب مراءت احمدی جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں۔ ایک دن مجلس حال وقال گرم تھی میں مجلس سے ذرا فاصلہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بے اختیار جاری تھے۔ اور دل وحشت منزل بے قراری میں مبتلا تھا۔ میں اسی سوز و ساز میں تھا کہ ناگاہ مطربوں نے حافظ شیرازی کی یہ غزل شروع کی ؎

اے نسیم سحر آرام گہ یار کجا است منزلِ آں مہِ عاشق کُش و عیار کجاست

اس غزل کے سننے سے بے تابی کمال تک پہنچ گئی۔ مطرب نرم آواز سے گاتے تھے لیکن دل یہی چاہتا تھا کہ بلند آہنگی سے پڑھیں اور متواتر پڑھیں۔ آخر میں بے تاب وبیقرار ہو کر قوالوں کے پاس جا بیٹھا وہ پڑھتے جاتے تھے اور مجھ پر بیخودی و مستی کے دروازے کھلتے جاتے تھے مجلس کے برخاست ہونے کے بعد نور بخش قوال کو بدن کا انگرکھا دے دیا گیا۔

ایک دن قوالوں نے ساز و نوا کے ساتھ یہ غزل گانی شروع کی ؎

مستم از بادۂ شبانہ ہنوز سلفیۂ ما رفت خانہ ہنوز

میاں شاہ جیون صاحب اور شاہ محمد یونس صاحب تنجاروی مجلس میں موجود تھے۔ اس شعر کے سنتے ہی دل میرود نہ دستم صاحبدلاں خدارا کی حالت ہوگئی چنانچہ مراءت احمدی میں لکھا ہے کہ شاہ محمد یونس بالکل بے قابو ہو گئے۔ اور میاں صاحب بھی عالم ذوق میں آکر نعرہ پر نعرہ مارتے اور بیخود ہو کر زمیں پر لوٹتے تھے۔
ایک مرتبہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رح کے سامنے شیخ عثمان سیاح کھڑے تھے۔ انہوں نے عرض کیا قوال حاضر ہیں۔ اگر ارشاد ہو تو راگ شروع کریں۔ آپ نے اجازت دی۔ قوالوں نے جو غزل شروع کی اس کے پہلے ہی شعر ؎

ہزار تی اگر بر من آید آساں است کہ دوستی و ارادت ہزار چند ان است

میں حضرت خواجہ پر حالت طاری ہو گئی۔ شیخ عثمان سیلاح اور کل حاضرین مجلس پر ایک خاص اثر ہوا۔ سب کے سب حالت تحیر میں کھڑے ہو گئے۔ چاشت سے لیکر شام کی نماز تک یہی حال رہا۔

حدیقۃ الاولیا[1] میں شیخ فیض بخش چشتی صابری لاہوری کے ذکر میں لکھا ہے کہ وہ بڑے صاحب حال و قال تھے۔ وجد و سماع ذوق و شوق تجرید و تفرید کے مالک تھے۔ جب حضرت کی وفات کے دن قریب آئے۔ تپ محرقہ کی بیماری لاحق ہوئی چند روز اسی حالت میں گذر گئے۔ جب آخری وقت قریب آیا۔ قوالوں کو بلایا چنانچہ حافظ قادربخش مدح خوان حاضر ہوا اُس کو اشارہ کیا کہ کوئی نعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں پڑھو۔ اُس نے ایک غزل کے یہ دو شعر

منم خاک در کوئے محمدؐ　　اسیر حلقۂ موئے محمدؐ
قتیل نوک شمشیر نگاہش　　شہید تیغ ابروئے محمدؐ

پڑھے تھے کہ حضرت وجد میں آ گئے جسم پر لرزہ ظاہر ہوا۔ تمام بدن عرق عرق ہو گیا۔ آخر اسی جوش و خروش میں وفات پا گئے۔ تاریخ وفات ۹ رجب ۱۲۸۶ھ ہے۔ مزار لاہور ہی میں ہے مگر معلوم نہیں کہاں ہے۔

ایران کے مشہور شاعر رودکی کا قصہ مشہور ہے کہ امیر نصر بن احمد سامانی نے جب خراسان کو فتح کیا۔ اور ہرات کی فرحت بخش آب و ہوا اُس کو پسند آئی تو اُس نے وہیں مقام کر دیا۔ اور بخارا جو سامانیوں کا اصل تخت گاہ تھا۔ اس کے دل سے فراموش ہو گیا۔ لشکر کے سردار اور اعیان اُمرا جو بخارا میں عالیشان عمارتیں اور عمدہ باغات رکھتے تھے۔ ہرات میں رہتے رہتے اُکتا گئے۔ اور اہل ہرات بھی سپاہ کے زیادہ ٹھیرنے سے گھبرا اُٹھے۔ سب نے اُستاد ابوالحسن رودکی سے یہ درخواست کی کہ کسی طرح امیر کو بخارا کی طرف مراجعت کرنے کی ترغیب دے۔ رودکی نے ایک قصیدہ لکھا اور جب بادشاہ راگ رنگ کے جلسوں میں محو ہو رہا تھا۔ اس کے سامنے پڑھا۔

[1] مصنفہ مولوی مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم

اس قصیدہ نے امیر کے دل پر ایسا اثر کیا کہ جمی جمائی محفل چھوڑ کر اسی وقت اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور بغیر موزہ پہنے گھوڑے پر سوار ہو کر مع لشکر کے بخارا کو روانہ ہو گیا۔ اور دس کوس پر جا کر پہلی منزل کی[1]۔ قصیدہ طویل ہے۔ اس لئے صرف چند اشعار ہی لکھے جاتے ہیں ؎

بوئے یار مہرباں آید ہمے　　　یاد جوئے مولیاں آید ہمے
ریگ آموے و درشتہائے اُو　　　پائے مارا پرنیاں آید ہمے
آب جیحون و شگرفیہائے اُو　　　خنگ مارا تامیاں آید ہمے
اے بخارا شاد باش و شاد زی　　　شاہ سویت میہماں آید ہمے
شاہ ماہ است و بخارا آسمان　　　ماہ سوئے آسماں آید ہمے

شاہ سرو است و بخارا بوستاں
سرو سوئے بوستاں آید ہمے

۸ جمادی الاول ۱۳۲۶ھ مطابق جون ۱۹۰۸ء کو سہسرام میں شاہ رکن الدین کے عرس کی تقریب پر خواجہ امانت اللہ صاحب نے سماع کا بڑے پیمانہ پر اہتمام کیا۔ قوالوں نے مجلس کو خوب گرمایا۔ شروع سے اخیر تک حاضرین مجلس پر یکساں کیفیت طاری رہی جناب نرگس بھی وہاں موجود تھے قوالوں نے اُنہی کی یہ غزل گائی ؎

ہر کہ نظارۂ تو کرد بحیرت آمد　　　اے صنم جلوۂ تو ہوش ربائے بینم
خون عشاق جگر خستہ نمودن[2] بحریم　　　در رہ عشق تو اے یار روائے بینم
یا نبی بر من بیچارہ نگاہے فرما　　　من ترا ابر کرم بحر سخائے بینم
چوں نہ محو رُخ پُر نور شوم ایجاناں　　　زانکہ در روئے تُما نور خدائے بینم

درد دل باعث آزار بود اے نرگس
لیک من غیرت داروئے شفائے بینم

غزل کے ایک ایک شعر پر حاضرین مجلس کے علاوہ خود حضرت نرگس پر عجب کیفیت

---

[1] مقدمہ دیوان حالی صفحہ ۱۰ [2] (روزانہ پیسہ اخبار ۱۹ جون ۱۹۰۸ء)

طاری تھی۔ غرض یہ ایک عالم تھا۔ جس کو عالم وجد کہتے ہیں۔ ایک کیفیت تھی۔ جو جمال سے جلال میں لا رہی تھی۔ لوگ جھومتے تھے۔ اور ہُو حق سے ایک کپکپا دینے والی حالت پیدا کر رہے تھے

بمقام کڑا مانکپور ضلع الہ آباد مجلس سماع منعقد تھی۔ قوالی بڑے زور شور سے ہو رہی تھی۔ محفل کا رنگ خوب جما ہوا تھا قوال یہ غزل گا رہے تھے ؎

مارا بغمزہ کشت و قضا را بہانہ ساخت　　　خود سوئے ما ندید و حیا را بہانہ ساخت

لوگ مست و محو ہو رہے تھے کہ ایک فقیر پھٹی لنگوٹی باندھے محفل میں گھس آیا اور ایک درد بھری مگر بلند آواز سے یہ نعرہ لگایا ع

خود درمیاں درآمد و مارا بہانہ ساخت

اہل مجلس تو مبہوت ہو گئے۔ اور خود وہ فقیر قوالوں کے پاس چکر لگا کر چلدیا اہل محفل کی یہ حالت تھی کہ کسی کو اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا جب یہ حالت رفع ہوئی تو درویش کو ڈھونڈھا مگر نہ پایا۔ سچ ہے ؎

خاکساران جہاں را بحقارت منگر　　　تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

ملک شاہ گلزار علی مونگیری (خلیفہ حافظ شاہ فرید الدین احمد قادری آروی) بیمار تھے حکم دیا نعت خوانی ہو۔ چنانچہ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ کو قوالوں نے مجلس نعت منعقد کی۔ اور یہ غزل گائی ؎

ما بلبلیم نالاں گلزار ما محمدؐ　　　ما نرگسیم حیراں دیدار ما محمدؐ

حضرت شاہ صاحب کو پہلے ہی مصرع پر وہ کیفیت طاری ہوئی کہ قوال کے ساتھ خود بھی گاتے تھے اور کہتے تھے۔ اللہ اللہ کیا اثر ہے کیا جذبہ ہے کل مقامات کھٹ رہے ہیں۔ چنانچہ اسی حالت وجد میں آپ کی روح پر فتوح نے ٹھیک بارہ بجے دن کے بروز

سلہ یہ واقعہ تذکرہ غوثیہ میں بھی لکھا ہے۔ اور وہاں قوال کے بجائے طوائف کا لفظ ہے اور یہ لکھا ہے کہ حضرت غوث علی شاہ قلندری پانی پتی اس مجلس میں خود موجود تھے۔ جب وہ لنگوٹی بند فقیر ہاتھ میں لاٹھی لئے محفل میں آ کودا۔ اور شعر پڑھکر ناچنے لگا۔ تو محفل پر عجب حالت طاری ہو گئی۔ وہ فقیر دو چار چکر مار کر چلدیا اور معلوم نہ ہوا کہ کہاں سے آیا۔ کدھر گیا اور کون تھا۔

جمعہ عالم بالا کی طرف پرواز کیا انا للہ وانا الیہ راجعون
قوالوں کے ہمراہ جنازہ بڑے اہتمام سے اُٹھایا گیا۔ اور موضع راٹن تک جہاں آپ کا مزار ہے۔ قوال "ما بلبلیم نالاں گلزار ما محمدؐ" برابر گاتے چلے آئے بعض شہ کائے جنازہ پر جو کیفیت طاری تھی احاطہ تحریر سے باہر ہے۔

حضرت پیران پیر سید عبد القادر محی الدین جیلانی ؓ کے عرس کی تقریب پر محفل سماع منعقد ہوئی۔ حضرت سید شاہ غلام نبی صاحب فیروز پوری خلیفہ حضرت قبلہ لاڈ خاں صاحب (عرف لعل محمد صاحب سکنہ کوٹ قاسم علاقہ ریاست جے پور) نے فرمایا کہ میاں شاہ قاسم کے قوالوں کو بلاؤ۔ وہ حاضر ہوئے۔ ارشاد ہوا۔ کچھ کہو۔ قوالوں نے یہ رباعی گائی ؎

گرچہ معشوقی لباس عاشقی پوشیدۂ　　　سلسلے را بستہ زنجیر سودا کردۂ
پرتو حسنت نگنجد در زمین و آسمان　　　در حریم سینہ حیرانم کہ چوں جا کردۂ

حضرت شاہ صاحب بہ سبب کسل مزاج چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ رباعی سنتے ہی بیٹھ گئے۔ اور پھر کھڑے ہو گئے۔ اور ایک گھنٹے کے قریب حالت وجد میں رہے ؎

اورنگ زیب محی الدین عالمگیر نے جو بڑا متشرع بادشاہ تھا۔ ایک مرتبہ حکم دیا کہ اتنی میعاد کے اندر جتنی طوائفیں ہیں سب نکاح کر لیں ورنہ ان کو کشتی میں بھر کر سب کو دریا برد کر دوں گا۔ سینکڑوں نکاح ہو گئے۔ مگر پھر بھی ایک بڑی تعداد باقی رہ گئی۔ چنانچہ ان کے ڈبونے کے لئے کشتیاں تیار ہوئیں۔ اور صرف ایک دن باقی رہ گیا۔ یہ زمانہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کا تھا۔ ایک حسین نوجوان طوائف روزمرہ آپ کے سلام کو آیا کرتی۔ جب آپ درود وظائف سے فارغ ہوتے۔ وہ طوائف سامنے آ کر دست بستہ کھڑی ہو جاتی۔ جب آپ نظر اُٹھاتے۔ وہ صرف سلام کر کے چلی جاتی۔ آج جو وہ آئی تو بعد سلام عرض رساں ہوئی کہ آج خادمہ کا اخیر سلام بھی قبول ہو آپ نے حقیقت حال

؎ لطائف الاحرار (غیر مطبوعہ) مصنفہ حضرت شاہ محمد شعیب تجاروی راجپوتانہ

دریافت فرمائی۔ اس جب تمام کیفیت بیان کر دی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ حافظ شیرازؒ کا یہ شعر؎

در کوئے نیک نامی مارا گذر ندادند گر تو نمے پسندی تغیر کن قضا را

تم سب یاد کر لو۔ اور کل جب تمہیں دریا کی طرف لے چلیں تو بہ آواز بلند اس شعر کو پڑھتی جاؤ۔ ان سب طوائفوں نے اس شعر کو یاد کر لیا جب روانہ ہوئیں تو یاس کی حالت میں نہایت خوش الحانی سے بڑے درد انگیز لہجہ میں اس شعر کو پڑھنا شروع کیا جس جس نے یہ شعر سنا۔ دل تھام کر رہ گیا۔ جب بادشاہ کے کان میں آواز پہنچی تو بیقرار ہو گیا ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ حکم دیا کہ سب کو چھوڑ دو۔

مولوی محمد مجید الدین صاحب المخاطب بہ ولی اللہ ارشدی عثمانی سکنہ تجارہ ملک راجپوتانہ اپنے ایک گرامی نامہ مورخہ ۹ رجب ۱۳۳۳ھ میں لکھتے ہیں۔ اخی مکرم مولوی افضال الحق صاحب ڈپٹی کلکٹر کے والد ماجد سید برکت علی صاحب حنفی نے اپنی کتاب مرآۃ الحقائق میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی ایک عبارت زاد المتقین سے اس طرح نقل کی ہے " بعد ازانکہ ایں حقیر (یعنے شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح) بوصول مدینہ مطہرہ وسعادت حضور مسجد سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرف شد۔ شب جمعہ کہ پردہ از عمارت داخل مرقد شریف برمیدارند۔ قصیدہ پیش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گردانید۔ چوں بدیں بیت رسید؎

خرابم در غم ہجر جمالت یا رسول اللہ جمال خود نما رحمے بجان زار شیدا کن

چنداں تکرار کردہ شد کہ گریہ زار زار در گرفت۔ غالب آنست کہ بسمع رضائے معرفت اجابت رسیدہ باشد وموجب حصول مقصود گشت۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں ایک جگہ اپنے والد بزرگوار شیخ سیف الدین کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ بغایت رقیق القلب اور سریع التاثیر تھے۔ درد محبت کا جب کوئی سخن کبھی ان کے سامنے کہا گیا وہ بے چین ہو گئے مثال میں مندرجہ ذیل واقعہ کا ذکر خاص طور پر کرتے ہیں۔ ایک دفعہ کیا گئی مرتبہ عمر خیام کی یہ رباعی

ایں کوزہ چوں عاشقِ زارے بود است | در بندِ سرِ زلفِ نگارے بود است
ایں دست کہ در گردنِ اُو مے بینم | دستے است کہ در گردنِ یارے بود است

آپ کے سامنے پڑھی گئی۔ اور ہر دفعہ آپ پر حالت طاری ہوتی رہی۔ اور آپ بے اختیار ہو کر گریہ کرتے رہے۔

فردوسی اور محمود غزنوی کا واقعہ کس کو معلوم نہیں۔ محمود غزنوی کے حکم سے فردوسی نے شاہنامہ مرتب کیا۔ جس پر ساٹھ ہزار اشرفی انعام دیا جانا قرار پایا تھا۔ خواجہ احمد بن حسن میمندی کی فردوسی سے چشمک تھی۔ اس نے یہ کہکر کہ فردوسی شیعہ ہے اور قرمطی ہے۔ بجائے اشرفیوں کے اس کو روپے بھجوا دیئے۔ جن کو فردوسی نے واپس کر دیا وزیر نے بادشاہ کو پھر بھڑکایا کہ اگر بادشاہ خاک کی مٹھی بھی بھیجے تو چاہئے کہ اس کو آنکھوں کا سرمہ بنایا جائے۔ مگر فردوسی نے سلطان کے ساتھ سخت گستاخی کی ہے چنانچہ محمود نے حکم دیا کہ فردوسی کو ہاتھی کے پاؤں تلے کچلا جائے۔ جس سے تمام بے ادبوں کو عبرت ہو۔ فردوسی کو خبر ہوئی بے تاب ہو کر سلطان کے پاس آیا۔ قدموں پر گر پڑا اور گڑگڑایا کہ حضور کی رعایا میں گبر و یہود بستے ہیں مجھ کو بھی ان میں سے شمار فرمایئے اور قتل سے معاف کیجئے۔ یہ کہکر ایک عجیب دردناک آواز میں مندرجہ ذیل فی البدیہ اشعار پڑھے ؎

چو در ملک سلطاں کہ جز خش ستود | بسے ہست ترساؤ گبر و یہود
گرفتند در ظلِ عدلش قرار | شدہ ایمن از گردش روزگار
چہ باشد کہ سلطانِ گردوں شکوہ | رہی را شمارد یکے زاں گروہ

سلطان پر ان اشعار کا اس قدر اثر ہوا کہ وزیر کی کسی مخالفت کی کوئی پیش نہ جا سکی۔ اس کا غصہ فرو ہو گیا۔ اور فردوسی کی جان بخشی کی گئی [۱]

فردوسی کا قصور تو معاف ہو گیا مگر روپیہ سے اُسے جواب ہی رہا۔ اُس نے بھی جان کی سلامتی کو غنیمت سمجھا لیکن غزنی کی رہائش سے اس لئے اُکتا گیا۔ کہ وزیر دشمن ہے

[۱] تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۲۳۶ مولفہ شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب مرحوم

کسی نہ کسی دن مصیبت میں پھنسا دیگا۔ چنانچہ غزنی سے اپنے وطن طوس کو روانہ ہو گیا۔ اور جانے سے پہلے شہر کی جامع مسجد کی اس دیوار پر جہاں محمود آ کے بیٹھا کرتا تھا۔ یہ شعر لکھ گیا؂

خجستہ درگہ محمود زابلی دریاست — چگونہ دریا کہ آنرا کرانہ پیدا نیست
چہ غوطہ ہا زدم و اندرو ندیدم دُر — گناہ بخت من است ایں گناہ دریا نیست

جب محمود نے جامع مسجد میں آ کر یہ اشعار پڑھے تو متاثر ہو کر ساٹھ ہزار دینار طلا خلعت شاہی کے ساتھ فردوسی کے پاس بھجوائے جانے کا حکم دیا۔

فردوسی ایک دن اپنے وطن طوس کے بازار میں پھر رہا تھا کہ ایک لڑکے کو اپنا یہ شعر پڑھتے سنا؂

بسے رنج بردم بدیں سال سی — عجم زندہ کردم بایں پارسی

اس شعر کے سننے کے ساتھ ہی فردوسی کو اپنی گذشتہ تیس سالہ دماغ سوزی اور جگر کاوی یاد آگئی۔ غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ جب لوگوں نے اٹھایا تو مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر چکا تھا۔ لوگ اس کا جنازہ لئے جا رہے تھے کہ بادشاہ کی طرف سے پورا صلہ یعنی ۶۰ ہزار اشرفی کی پوری رقم بھی پہنچ گئی۔ اس کی ایک بہن یا بیٹی تھی وہ رقم اس کو دی گئی۔ لیکن اس بیرچشم نے بھی لینے سے انکار کر دیا۔ آخر بحکم سلطانی طوس کی ندی پر جہاں فردوسی کا مسکن تھا۔ اس رقم سے ایک پل بنام جسر فردوسی بنایا گیا جس کے ٹوٹے پھوٹے آثار اب بھی پائے جاتے ہیں؂

گذشت شوکت محمود و در زمانہ نماند — جز ایں فسانہ کہ نشناخت قدر فردوسی

تذکرۃ العارفین[۵۱] میں حضرت بابا علی رینہ برادر حضرت محبوب العالم شیخ المشائخ شیخ حمزہ رح کشمیری اپنے حالات میں لکھتے ہیں کہ جب میں سفر (عرب و سمرقند وغیرہ) سے واپس آ کر کشمیر میں اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایک عجیب حالت روحانی مجھ پر غالب آگئی۔ حافظ شیرازی کی غزلیں پڑھتا اور فریاد و فغاں کرتا تھا۔ یہ اشعار پڑھتا تو دل کا بخار نکالنے کے لئے تھا۔ لیکن ان اشعار سے سوز دل اور بھی بھڑک اٹھتی تھی۔ ان

[۵۱] یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے بابا علی رینہ کشمیری کی تصنیف ہے سال تصنیف ۹۸۲ھ ہے یہ نسخہ کتاب سفر کشمیر میں یار اگست ۱۹۵۵ء کو چھپی تھی

غزلوں کے مطلع حسب ذیل ہیں ؎

صبا بلطف بگو آن غزالِ رعنارا | کہ سر بکوہ و بیابان تو دادہ مارا
اے پیک راستاں خبر از سرو ما بگو ؎ | احوال گل بہ بلبل دستاں سرا بگو

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نقل کرتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ایک رات یہ پڑھ رہے تھے ؎

چہ بودے کہ دوزخ زمن پُر شدے | مگر دیگراں را رہائی شدے

اس شعر میں غضب کی تاثیر تھی۔ سارے جہان کا درد بٹنے کی یہ عجیب تمنا تھی۔ اور بنی نوع انسان کی ہمدردی کا یہ ایک لاجواب مضمون تھا۔ لکھاہے کہ شیخ شہاب الدین جب تک یہ شعر پڑھتے رہے انکی آنکھیں آنسوؤں سے تر رہیں اور رونا اُن کا جبتک کہ اس شعر سے فارغ نہ ہوئے بند نہ ہُوا[۱]

سلطان غیاث الدین غوری (جس نے ۱۱۷۳ء میں غزنی کو فتح کیا ہے) پر حملہ کرنے کے لئے سلطان خوارزم کا لشکر جب دہانہ شیر سرخس پر آیا تو خوارزم نے اپنا ایک ایلچی سلطان کے پاس بھیجا۔ غیاث الدین نے بزم طرب مہیا کر کے خوارزم کا حال معلوم کرنے کے لئے ایلچی کو خوب شراب پلائی۔ مطرب کے گانے پر جب ایلچی مست ہُوا تو جھوم جھوم کر اس رباعی کی فرمائش کی ؎

آن شیر کہ بالش رودہانہ است مقیم | شیران جہان ازو ہراسند عظیم
اے شیر تو از دہانہ دندان بنمار | کیں با ہمہ در دہان شیر اندنہ بیم

یہ طعن آمیز رباعی سنتے ہی غیاث الدین کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا۔ اہل مجلس یہ حال دیکھ کر کانپ گئے۔ خواجہ صفی الدین محمود (غیاث الدین کا ایک درباری شاعر) بھی حاضر مجلس تھا۔ اس نے فی البدیہ یہ رباعی پڑھی ؎

آں روز کہ بار ا بست کیں افرازیم | واز دشمن مملکت جہاں پردازیم
شیرے نہ دہانہ گر نماید دنداں | دندانش بگرز در دہاں اندازیم

سلطان کا وہ چہرہ جو پہلے غصہ سے لال چقندر ہو رہا تھا۔ اب خوشی سے چمک

[۱] از تواریخ عجیبہ موسوم بہ سوانح احمدی صفحہ ۸۵

اٹھا۔ اور خواجہ کو خلعت اور بیش قرار انعام عطا کیا۔

سلطان کیقباد اور اس کے باپ سلطان بغرا خاں کے واقعات تاریخ دان اصحاب سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ نظام الدین نمک حرام نے کیقباد کو رنگ رلیوں میں ڈال کر نہ صرف باپ کا دشمن بنا دیا بلکہ تمام امرا و وزرا کی بے عزتی کرنے لگا۔ بادشاہ کے رشتہ داروں کو قتل کرا دیا۔ اور خود بادشاہی کی ہوس میں بادشاہ کی جان لینے کی گھات میں رہنے لگا۔ بغرا خاں بیٹے کے یہ حالات دیکھتا تھا۔ مکتوب نصائح آمیز لکھتا تھا۔ مگر مست بادشاہ پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ آخر اس نے بیٹے کے دربار میں خود حاضر ہونے کے لئے ایک محبت بھرا خط لکھا۔ کیقباد نے یہ خط پڑھا۔ اور جب باپ کے اس شعر پر پہنچا ؎

گرچہ فردوس مقام خوش است　　　　ہیچ بہ از دولت دیدار نیست

تو بے ساختہ آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ باپ کے دیدار کی تڑپ دل میں پیدا ہوئی اور اودھ میں دریائے گھاگرا کے کنارہ پر ملاقات قرار پائی۔

ہمایوں جب شیر شاہ سوری کے ہاتھوں سے تنگ ہو کر [illegible] میں ایران پہنچا ہے۔ تو شاہ طہماسپ والئی ایران نے بادشاہ ہند کی دلبستگی کے لئے جشن [illegible] مرتب کیا۔ مطرب (صابر قاق) نے جب اس غزل کو جس کا یہ مطلع ہے ؎

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد　　　　ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

گایا تو اہل وجد و حال کے ارکان وجود میں تزلزل آگیا۔ جب اس شعر کو پڑھا ؎

ز رنج و راحت گیتی مرنجاں دل مشو خرم　　　　کہ آئین جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

تو ہمایوں کے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور آنکھوں میں رقت طاری ہو گئی جس سے تمام مجلس پر افسردگی چھا گئی۔

دراندازہر ملک۔ ہر سلطنت اور ہر قوم میں ہوتے ہیں۔ ایران ان سے کس طرح خالی رہ سکتا تھا۔ چنانچہ بعض خود غرضوں نے شاہ ایران کو ہمایوں کی امداد سے [illegible]

ا۔ تاریخ ہندوستان جلد سوم صفحہ ۱۵۷ مولفہ شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب مرحوم

روک دیا کہ آپ شیعہ ہیں وہ سُنّی۔ دونوں کے عقاید میں زمین آسمان کا فرق ہے غرض معاملہ بگڑ گیا۔ مگر جب ہمایوں نے اپنی ایک رباعی شاہ ایران کو بھیجی۔ جس کا دوسرا شعر حسب ذیل ہے ؎

شاہاں ہمہ سایہ ہمائے خواہند   بنگر کہ ہما آمدہ در سایۂ تو

تو شاہ ایران پر عجب حالت طاری ہو گئی۔ اور چند شرائط کے ساتھ ایرانی فوج اُس کے ساتھ کردی چنانچہ اسی ایرانی فوج کی کوشش سے قندھار کابل اور بدخشاں کے بعد ہندوستان فتح کیا گیا

جب ہمایوں کے مرنے کے دن قریب آئے تو برخلاف اپنی عادت[1] کے اکثر موت کا تذکرہ کیا کرتا تھا۔ ایک دن فرمایا جب میں دہلی کے مزارات کو دیکھتا ہوں تو میرا بے اختیار مرنے کو جی چاہتا ہے۔ پھر ایک دن جب اپنی ذیل کی رباعی پڑھی ؎

یارب بکمال لطف خاصم گرداں   واقف بحقائق خواصم گرداں
از عقل جفاکار دل افگار شدم   دیوانۂ خود خوان وخلاصم گرداں

تو بے اختیار رو دیا۔ اور کہا اس عالم فانی سے بوئے انتقال آتی ہے (کچھ دنوں کے بعد ہمایوں کا انتقال ہوگیا)

ہمایوں کو اُس کے بھائیوں سے بہت تکلیفیں پہنچی تھیں بلکہ ہندوستان سے فراری بھی بھائیوں ہی کی خانہ جنگیوں کا نتیجہ تھی۔ جب اس کی قسمت نے پلٹا کھایا۔ اور وہ ایران سے واپس ہندوستان میں آیا۔ تو بھی اُس کے بھائی خصوصاً مرزا کامران اس کا سختی سے مقابلہ کرتا رہا۔ آخر کابل میں ہمایوں نے اس کو گرفتار کیا۔ اور اعیان سلطنت کے مشورہ سے باوجود اپنی کمال رحمدلی کے بھائی کی آنکھوں میں سلائی پھرائی گئی۔ اور نشتر لگوائے گئے یہاں تک کہ اُس کی بینائی بالکل جاتی رہی[2]۔ مرزا کامران نے بادشاہ سے اپنے عزیز دوست بیگ

---

[1] ہمایوں کا حکم تھا کہ دربار میں کبھی موت کا ذکر نہ آیا کرے کہ اس سے دل پر جو اثر ہوتا ہے۔ اس سے انتظام مملکت میں خلل ہوتا ہے۔ رزم نامہ شیر شاہی صفحہ ۲۷۲ مولفہ مولوی ذکاء اللہ صاحب [2] یہ دردناک واقعہ سنہ ۹۶۰ھ میں ظہور میں آیا اس واقعہ کی تاریخ لفظ نشتر (سنہ ۹۶۰ھ) سے نکلتی ہے۔

ملوک کے ملنے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ وہ منظور ہوئی جب ملوک آیا تو اپنی اندھی آنکھوں پر اس کے ہاتھ رکھے۔ اور رو رو کر بصد شکل اس شعر کو پورا کیا ؎

ہر چند کہ چشم بر خت پردہ کشیدہ است	بنیاست بخشیے کہ کسے روئے تو دیدہ است

فیضی کو سب جانتے ہیں کہ وہ علامہ ابو الفضل کا بڑا بھائی اور دربار اکبری کا ملک الشعرا تھا ۹۵۴ھ میں پیدا ہوا۔ اکبر کے جلوس کے بارھویں سال بادشاہ تک اس کی رسائی ہوئی مشہور ہے کہ جب وہ دربار میں آیا تو چاندی کے کٹہرے سے اس کو باہر کھڑا کیا گیا۔ اُس وقت اس نے پڑھا ؎

بادشاہا درون پنجرہ ام	از سر لطف خود مرا جا دہ
زانکہ من طوطی شکر خائیم	جائے طوطی درون پنجرہ دہ

بادشاہ نے یہ قطعہ سنکر بہت پسند کیا۔ اور اسی وقت سے فیضی پر مراعات و عنایات کی بارش ہونے لگی۔

اکبر ۲ محرم الحرام ۹۸۹ھ کو دار الخلافہ سے پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ ۱۷ محرم کو تھانیسر میں پہنچا۔ ابو الفضل ہمراہ تھا۔ بادشاہ شیخ جلال تھانیسری سے کہ ہزارہا لوگ ان کے ارادتمندوں میں داخل تھے ملا۔ بادشاہ کے اشارہ سے ابو الفضل نے پوچھا۔ آپ کی ساری عمر نیکوں کی صحبت میں گذری۔ دل سراسیمہ کو اختلاف کے تفرقہ سے نجات دلانے کا بھی کوئی علاج ہے کہ نہیں۔ شیخ آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ اور روتی ہوئی آواز میں کہا ؎

آہ زاستغنائے دلبر آہ آہ	گر تعظم بست بر کونین راہ

شاہزادہ سلیم کئی دفعہ باپ (اکبر) سے بگڑا۔ اور کئی مرتبہ اس کے پاؤں پر گرا۔ سنہ ۱۰۱۲ھ مطابق سال جلوس ۴۸ سنہ میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ بادشاہ نے پہلے اپنی بیگم سلطان سلیمہ اور پھر شاہزادہ کی خواہش کے مطابق اس کی دادی حضرت مریم مکانی کو اس کے بلانے کے لئے بھیجا۔ جب اکبر آباد کے قریب آگیا تو پیغام بھیجا کہ کوئی ساعت سعید میری قدمبوسی کے لئے مقرر کی جائے۔ بادشاہ نے جواب میں جعفر بیگ آصف خاں کے یہ اشعار لکھے ؎

اے جستہ ز ما برسم عادت ساعت	اوراکہ وصال را چہ حاجت ساعت

از وصل کند کسب سعادت ساعت ساعت چہ کنی بہانہ ساعت ساعت

یہ اشعار دیکھکر بیٹا دوڑا آیا۔ قدموں پر گرا۔ باپ نے گلے لگایا اور نقارہ شادمانی بجا۔

بیرم خاں اکبر کا اتالیق اور اُس سے باپ ہمایوں کا وفادار صلاح کار تھا۔ سنہ ۹۶۴ھ میں جب اکبر نے ہیمو بقال کی مہم سے فراغت حاصل کر لی۔ بیرم خاں کے گھر لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اکبر نے عبدالرحیم رکھا۔ اور جو بڑا ہو کر مرزا عبدالرحیم خان خاناں کہلایا۔ اس کی دریا دلی اور امارت کے افسانے تاریخوں اور کتابوں میں مرقوم ہیں۔ دربار اکبری (صفحہ ۱۵۵) میں لکھا ہے۔ ایک دفعہ مرزا خاں خاناں (جس کو بادشاہ نے منعم خاں کا بھی خطاب دیا تھا) دربار شاہی سے برہان پور کو روانہ ہوا۔ پہلی ہی منزل پر ڈیرا کیا۔ غریب شام سراپردہ کے سامنے شامیانہ کے نیچے کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور مصاحبوں ملازموں سے دربار آراستہ تھا۔ ایک آزاد سامنے سے گذرا اور پکار کر کہتا چلا ؎

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

منعم خاں اس برمحل اور برجستہ شعر کے سننے سے بڑا خوش ہوا۔ خزانچی کو حکم دیا۔ ایک لاکھ روپیہ دیدو۔ فقیر دعائیں دیتا چلا گیا۔ سات منزلوں تک وہ فقیر اسی طرح کہتا۔ اور لاکھ لاکھ روپیہ لیتا رہا۔ پھر خود ہی خیال آیا۔ آج تک اتنا انعام نہ کسی نے دیا ہے نہ لیا ہے ایسا نہ ہو خفا ہو کر اگلا پچھلا سب چھین لے۔ اس لئے زیادہ طمع اچھا نہیں۔ جب آٹھویں دن فقیر کی صدا نہ آئی تو منعم خاں نے کہا۔ برہان پور آگرہ سے ۲۷ منزل ہے۔ ہم نے تو پہلے دن ہی ۲۷ لاکھ روپیہ کا فکر کر لیا تھا۔ فقیر تنگ حوصلہ ہوگا۔ خدا جانے دل میں کیا سمجھا کہ پھر نہیں آیا۔

ایک شخص خان خاناں کے پاس آیا جو تھا تو مفلس۔ لیکن جہاں اس کا دل اٹکا تھا وہاں بغیر روپے کے گذارہ مشکل تھا۔ اس نے خان خاناں کے دربار میں یہ قطعہ پڑھا ؎

اے خان جہان خانخاناں دارم صنمے کہ رشک چین است
گر جانی طلبد مضائقہ نیست زر مے طلبد سخن درین است

پوچھا وہ کیا مانگتے ہیں کہا لاکھ روپیہ۔ حکم دیا۔ لاکھ ان کو دیگا تو آپ کیا کھائے گا۔ ارشاد ہوا سوا لاکھ دیدو۔

سکندر لودھی کے عہد (۸۹۴ھ تا بغایت ۹۲۳ھ) میں شیخ جمال کمبوہ دہلوی شعرائے باکمال میں گذرے ہیں۔ ابتدا میں بالکل فقیرانہ حالت اور سخت تنگدستی تھی۔ مگر اس حال میں بھی شاعری کی شہرت ایران تک جا پہنچی تھی۔ دربار اکبری میں لکھا ہے کہ آپ جب مولانا جامی کی خدمت میں گئے۔ تن سے بالکل برہنہ تھے۔ اور ایک لنگوٹ سا باندھا ہوا تھا۔ انہوں نے پوچھا کون ہے؟ کہا خاک ہند سے ہوں۔ پوچھا جمالی شاعر کے کلام سے بھی کچھ یاد ہے۔ انہوں نے دو تین شعر پڑھے۔ پھر پوچھا۔ تم بھی کچھ کہتے ہو۔ آپ نے یہ مطلع پڑھا ؎

مارا ز خاک کویت پیراہن است بر تن
آں ہم ز آب دیدہ صد چاک تا بدامن

یہ کہا اور ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ بدن پر تمام گرد پڑی تھی۔ سینہ پر جو آنسو گرے۔ پیراہن خاکی چاک چاک ہو گیا۔ مولانا جامی سمجھ گئے۔ اٹھ کر گلے ملے اور تعظیم و تواضع سے پیش آئے۔ ۹۴۳ھ میں دہلی میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

شیخ سلیم چشتی وہ بزرگ ہوئے ہیں۔ جن کی دعا و برکت سے اکبر کو سلیم سا فرزند ملا تھا۔ اکبر نے ایک مرتبہ شیخ سے پوچھا۔ آپ کا انتقال کب ہو گا۔ فرمایا اس کا علم عالم الغیب ہی کو ہے۔ بادشاہ نے جب بہت اصرار کیا تو شاہزادہ سلیم کی طرف دیکھکر فرمایا۔ جب یہ شاہزادہ اتنا بڑا ہو گا کہ جو کچھ اس کو یاد کرایا جائے وہ سیکھ لے اور پھر خود ادا کرے۔ تو سمجھنا کہ ہمارا وصال نزدیک ہے۔ جہانگیر اپنی توزک میں لکھتا ہے اس واقعہ کو دو برس سات مہینے گذرے تھے کہ ایک عورت نے جو مجھے نظر گذر کے لئے روز اسپند کر جاتی تھی۔ اور اسے کچھ بطور خیرات مل جایا کرتا تھا۔ مجھے یہ شعر یاد کرا دیا ؎

الٰہی غنچہ امید بکشا گلے از روضہ جاوید بنما

مَیں یہ شعر یاد کرکے شیخ کے پاس گیا۔ ان کو سنایا وہ خوشی کے مارے اچھل پڑے دوسرے دن تان سین کو بلوا کر گانا سُنا۔ بادشاہ کو بلا کر اس واقعہ کی اطلاع دی اور کہا اب ہم رخصت ہوتے ہیں۔ اور چند ہی دنوں میں واصل بحق ہو گئے۔

ایک مرتبہ شہنشاہ جہانگیر کے سامنے یہ شعر پڑھا گیا ؎

بگذر مسیح از سر ما کشتگان عشق یک زندہ کردن تو بصد خوں برابر است

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتا ہے کہ یہ شعر سنکر میری طبیعت بے اختیار ہو گئی۔ خیالات میں ایک تلاطم پیدا ہُوا۔ اور فوراً ہی میری زبان پر یہ بیت آ گیا ؎

از من متاب رُخ کہ نیم بے تو یک نفس یک دل شکستن تو بصد خوں برابر است

شہریار یوں تو شاہجہان کا بھائی اور جہانگیر کا بیٹا تھا۔ مگر بڑا بدنصیب تھا اور اس کی بدنصیبی اس زمانہ میں اور بھی ترقی کر گئی جب نور جہاں نے اپنی بیٹی (جو شیر افگن خاں سے تھی) دے کر اس کو اپنا داماد بنا لیا تھا۔ نور جہاں چاہتی تھی کہ شہریار جہانگیر کے بعد تخت پر بیٹھے۔ اور آصف خاں اس کا بھائی اپنے داماد شہزادہ خرّم (شاہجہان) کے لئے جان لڑا رہا تھا۔ جب جہانگیر کا کشمیر کی واپسی میں بمقام بہرام گلہ انتقال ہُوا۔ اس وقت شہریار اپنے علاج کے لئے لاہور میں مقیم تھا باپ کے مرنے کی خبر سنکر آصف خاں کے مقابلہ پر دریائے راوی سے عبور کیا۔ آخر اپنی بیگم سمیت محلوں سے باہر نکالا گیا۔ دوسرے دن آصف خاں کے ایما سے اس کی آنکھوں میں سلائی پھیری گئی۔ دنیا جہان اس کی آنکھوں میں سیاہ ہو گیا روتا تھا اور کہتا تھا ؎

نہ نرگس گلاب از چہ نتواں کشید کشیدند از نرگس من گلاب

اگر از تو پرسند تاریخ من بگو کور شد دیدہ آفتاب

اُس زمانہ میں یہ شعر لاہور میں بچہ بچہ کی زبان پر تھے۔ جو سنتا تھا سر کو دھنتا تھا۔

دکن میں خاندان بہمنی کا دوسرا بادشاہ سلطان محمد شاہ اوّل (عہد حکومت ۱۳۵۸ء لغایت ۱۳۷۵ء) آخر عمر میں بے انتہا علیمی ہو گیا تھا۔ اور شراب سے تو ایک لمحہ بھی

غفلت نہیں کرتا تھا

دکن کے کل مشائخ نے خوف کے مارے اُس سے حاضر و غائب بیعت کی۔ شیخ زین الدین نامی ایک بزرگ تھے۔ انہوں نے کہلا بھیجا مرنا قبول ہے مگر ایک شرابی کی بیعت نہیں ہو سکتی۔ بادشاہ نے اس کو شہر بدر کرا دیا۔ بعد میں افسوس ہوا۔ اور اُن کو واپس بلوا بھیجا۔ انہوں نے لکھا۔ اگر بادشاہ امر معروف و نہی منکر میں کوشش کرے تو زین الدین فقیر سے زیادہ وہ کسی کو اپنا دوست نہ پائیگا۔ اور یہ رباعی لکھی ؎

تا من بزیم بجز نکوئی نکنم ۔۔۔ جز نیک دلی و نیک خوئی نکنم
آنہا کہ بجائے ما بدی ہا کردند ۔۔۔ تا دست رسد بجز نکوئی نکنم

بادشاہ پر اس رباعی کا یہ اثر ہوا کہ شراب فروشی کی دوکانیں بند ہو گئیں۔ سنت محمدی پر عمل ہونے لگا۔ اور علماء و فضلا کے مراتب و مراسم کی نگہداشت ہونے لگی۔ اور آخر شاہ زین الدین بادشاہ کے پاس گلبرگہ میں آ گئے۔

منشی چندر بھان برہمن اکبر آبادی دور شاہجہانی کے ایک نامور شاعر اور شاہزادہ داراشکوہ کے دامن دولت سے وابستہ تھے۔ شاہزادہ اُن پر بہت مہربان تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ منشی چندر بھان طرفہ شعر کہتا ہے۔ اگر حکم ہو تو حضور کی خدمت میں حاضر ہو۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ بلاؤ۔ منشی چندر بھان حاضر ہوا۔ شاہجہان نے کہا کہ جو شعر بابا (شاہزادہ) نے پسند کیا ہے اُس کو پڑھو چنانچہ برہمن نے یہ شعر پڑھا ؎

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندیں بار ۔۔۔ بکعبہ بُردم و بازش برہمن آوردم

یہ شعر سنتے ہی بادشاہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ غصہ سے آستین کو چڑھایا۔ اور کہا کوئی ہے کہ اس کا جواب دے۔ اور میرے غصہ کو فرو کرے۔ افضل خاں کہ امرائے کبار میں سے تھا اور حاضر جوابی میں فرد! لولا احضور اس کا جواب تو شیخ سعدی چار سو سال پیشتر فرما گئے ہیں ؎

ؔ تاریخ ہندوستان جلد چہارم حصہ دوم صفحہ ۳۲ از مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی

خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود — چوں بیاید ہنوز خر باشد

بادشاہ بہت خوش ہوا سخان مذکور کو انعام سے مالا مال کیا اور فرمایا اگر برہمن کے شعر کا جواب نہ ملتا تو میں ضرور اپنے آپ کو ہلاک کر دیتا۔ شاہزادہ اور منشی چندر بھان منفعل ہو کر چلے گئے[1]۔ چندر بھان کا انتقال ۱۰۷۳ھ میں ہوا ہے۔

عالمگیر اپنے جلوس کے سال ۴۹ھ میں سخت بیمار ہو گیا۔ امیر خاں[2] نقل کرتا ہے کہ بادشاہ کو ایکدن نہایت ضعف ہو گیا۔ آنکھیں اشک آلودہ تھیں۔ زیر لب آہستہ آہستہ یہ اشعار پڑھ رہا تھا ؎

بہ ہشتاد و نود چوں در رسیدی — بسا سختی کہ از دوراں کشیدی
دراں جا چوں مقصد منزل رسانی — بود مرگے بصورت زندگانی

بادشاہ کی حالت اس وقت متغیر تھی۔ میں نے جب یہ شعر سنے تو حوصلہ کر کے عرض کیا کہ نظامی گنجوی نے ان ابیات کی تمہید میں یہ بیت بھی کہی ہے ؎

پس آں بہتر کہ خود را شاد داری — دراں شادی خدا را یاد داری

امیر خاں لکھتا ہے۔ یہ شعر سنتے ہی بادشاہ کی حالت میں ایک اطمینان سا نظر آنے لگا۔ اس شعر کو مجھ سے بار بار سنا اور لکھوا لیا۔ اور مدت تک یہ شعر اس کے ورد زباں رہا۔

شیخ حمید الدین ناگوری کہ صاحب کمال بزرگ اور اولیائے عظام میں سے تھے ایکدن مجلس سماع میں تھے۔ قوالوں نے جب یہ رباعی پڑھی ؎

آں عاقل کجا کہ در کمالِ تو رسد — واں روح کجا کہ در جلالِ تو رسد
گیرم تو پردہ برگرفتی ز جمال — آں دیدہ کجا کہ در جمالِ تو رسد

تذکرہ حسینی (بزبان فارسی مطبوعہ لکھنؤ) میں لکھا ہے کہ شیخ کو اس پر اس قدر وجد ہوا کہ دوپہر سے شام تک اسی حالت میں رہے۔

تذکرہ حسینی میں ایک شاعر دیوانہ بغدادی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ ایک یہودی کی لڑکی پر عاشق ہو گیا تھا۔ لڑکی بھی اس کے فراق میں تڑپتی تھی لیکن بعض دینی و دنیوی وجوہات ایسی تھیں کہ دونوں کی شادی تو کجا ملاپ اور ملاقات تک محال تھی۔ ایک بزرگ کی مدد سے دیوانہ اپنی معشوقہ کے مکان تک پہنچا۔ ایک آہ کھینچی۔ اور بلند آواز سے یہ رباعی پڑھی ؎

در عشق تو ام طاقت تنہائی نیست — وز ہجر تو ام تاب شکیبائی نیست
تا وصل تو اں بود تحمل کردم — دیگر چہ کنم وصل توانائی نیست

اندر سے آواز آئی ؎

در عشق کسے را کہ توانائی نیست — در ہجر تحمل و شکیبائی نیست
مرگست علاج او کہ بمیرد از مرگ — ہر مصلحتے دگر کہ فرمائی نیست

---

[1] از تذکرہ حسینی مولفہ میر حسین دوست سنبھلی صفحہ ۷۳ [2] معلوم نہیں کون امیر خاں ہے تاریخ میں صرف نام ہی لکھا ہے زیادہ تعریف نہیں کی۔

خدا جانے اس آواز میں کیا جادو اور کیا اثر تھا۔ کہ دیوانہ نے جب یہ اشعار سُنے تو ایک نعرہ مارا اور جان ۔جان آفرین کو سونپ دی ۔ساتھ ہی اندر سے بھی ایک شور بلند ہوا جس سے معلوم ہوا کہ وہ لڑکی بھی مر گئی ہے۔

حضرت ملا شاہ رح حضرت میانمیر لاہوری رح کے مرید خالص اور شہزادہ دارا شکوہ (خلف اکبر شہنشاہ شاہجہاں) کے مرشد گرامی تھے ۔حضرت میانمیر رح کی وفات کے بعد حضرت ملا شاہ رح کشمیر میں گئے ۔وہاں اُن کی عمارات کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں ۔ملا شاہ نے انہی دنوں میں ایک شعر کہا ؎

پنجہ در پنجۂ خدا دارم — من چہ پروائے مصطفےٰ دارم

شاہجہان بادشاہ نے علمائے دہلی سے فتویٰ طلب کیا کہ ملا شاہ اس شعر کے کہنے سے واجب القتل ہے یا نہیں کیونکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت ہوتی ہے ۔شاہجہان نے ملا شاہ کو بھی بلوایا ۔پوچھا یہ شعر آپ کا ہے کہا ہاں ۔فرمایا اس سے رسول خدا کی توہین ہوتی ہے حضرت ملا شاہ نے کہا ۔توہین تو آپ لوگ کرتے ہیں ۔جو اپنے اور مصطفےٰ اور خدا میں تفریق پیدا کر رہے ہیں ۔خدا کے پنجہ میں میں بھی ہوں آپ بھی اور مصطفےٰ بھی ۔پھر پرواہ کس کی اور خوف کس کا ۔بادشاہ خاموش ہو گیا ۔اہل کشمیر نے جمع ہو کر کہا ملا شاہ نے بادشاہ پر جادو کر دیا ہے جب وہ دعوئے الوہیت کرتا ہے تو قتل اس کا کیوں لازم نہیں ۔اس ارادہ سے سب لوگ ملا شاہ کے پاس گئے ۔لیکن جب ان کے پاس پہنچے ۔بہت سے تو بھاگ گئے اور اکثر ان کے مطیع و معتقد ہو گئے۔

حضرت سرمد برہنہ[1] اپنا مال و اسباب لٹا کر برہنہ ہو گئے ۔اُن دنوں عالمگیر اپنے

---

[1] آپ اصل میں کاشانی یہودی اور بقول بعض ارمنی فرنگی تھے ۔بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے جب ہندوستان میں آئے تو پیشہ تجارت تھا اور نہایت آسودہ حال تھے ۔دہلی میں آ کر ایک ہندو لڑکے ابے چند پر عاشق ہو گئے اور کہا ؎
نیدانم دریں چرخ کہن دیرہ خدائے من ابھے چند است یا غیر ۔جذبہ عشق میں سب مال و اسباب غارت کر دیا ۔یہاں تک کہ بالکل برہنہ ہو گئے ۔اور آخر عمر تک اسی حالت میں رہے ۔

بھائیوں کو شکست دے کر اور باپ (شاہجہان) کو قید کر کے تخت نشین ہو چکا تھا۔ حضرت سرمد نے کہا۔ بادشاہی آخر دارا شکوہ ہی کو ملیگی۔ عالمگیر کو یہ بات ناگوار گذری تاقوی کو جو قاضی القضاۃ تھا سرمد کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ کمالات کے ہوتے ہوئے بھی مکشوف العورت یہ کیا طریقہ ہے۔ سرمد نے کہا کیا کروں شیطان قوی ہے۔ اور یہ رباعی فی البدیہہ پڑھی ؎

بالائے خوشی گروہ چنیں است مرا ۔۔۔ چشمے بد و جام بُرد از دست مرا

او در بغل منست و من در طلبش ۔۔۔ دزدے عجبے برہنہ کر دست مرا

قاضی قوی اپنے نام کے ساتھ شیطان قوی کا لفظ سن کر بھڑک اُٹھا۔ بادشاہ پاس گیا اور کہا وہ واجب القتل ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ کل اُسے حاضر کرو۔ تمام علماء بحث کریں اگر وہ ایسا ہی ثابت ہُوا تو اس کی گردن اڑا دی جائیگی۔ سرمد دربار میں بلایا گیا۔ بادشاہ نے کہا تو نے جو کہا تھا کہ دارا شکوہ بادشاہ ہوگا۔ بتاؤ اب کون بادشاہ ہے۔ سرمد نے کہا بادشاہی دارا شکوہ ہی کو حاصل ہوگی۔ بادشاہ کچھ پہلے ہی جلا بھُنا تھا۔ اس کلام سے اور بھی رنجیدہ ہُوا۔ پھر کہا لا الہ سے آگے کچھ نہ کہنا کیا معنے رکھتا ہے۔ کہا ابھی نفی میں غرق ہوں۔ اثبات بعد نفی کے ہوتی ہے۔ بادشاہ نے اُس کو توبہ کی اور ستر ڈھانکنے کی تاکید کی مگر اس نے ایک نہ مانی اور کہا تو یہ کہا ؎

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد ۔۔۔ من از سرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را

آخر شرعی حجت کے بعد وہ قتل گاہ میں لایا گیا۔ جب جلاد نے اس کا سر قلم کرنے کے لئے تلوار کو نیام سے باہر نکالا تو سرمد نے ہنسکر کہا ؎

رسیدہ یار عریاں تیغ ایندم ۔۔۔ بہر رنگے کہ آئی مے شناسم

شیخ المشائخ حضرت شیخ عبد الجلیل المعروف حضرت چوہڑ شاہ بندگی لاہوری[1] ایک

---

[1] مزار مبارک لاہور میں متصل قلعہ گوجر سنگھ واقع ہے۔ ماہ رجب ۹۱۰ھ مطابق ۱۵۳۴ء میں وفات پائی سلطان بہلول لودھی کے آپ داماد تھے۔ اصل وطن لاہور نہیں تھا۔ بلکہ قصبہ مئو واقعہ ریاست بہاولپور کے رہنے والے سلطان حمید الدین حاکم رہ کے بادشاہ سے پنجاب میں تشریف لائے۔ اور لاہور میں قیام فرمایا۔ (تذکرہ سبحیہ)

ہزبہ کوہستان بھکر کی سیر سے واپس تشریف لاتے ہوئے موضع چلور ابراہیم میں چند روز اقامت گزیں ہوئے ایک دن آپ نے فرمایا کہ مجلس سماع منعقد کرائی جائے۔ چنانچہ ہر طرف سے بیت اور دوہڑے پڑھنے والے حاضر ہوئے۔ ایک قوال نے جب عراقی کے یہ اشعار پڑھے ؎

نخستیں بادہ کاندر جام کردند ز چشم مست ساقی وام کردند
چو خود کردند راز خویشتن فاش عراقی را چرا بدنام کردند

تذکرہ قطبیہ میں لکھا ہے کہ حضرت کو وجد آگیا بے اختیار ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اور جوش وخروش میں سامنے کے (سات گز عریض) ٹیلہ کو چیرتے ہوئے آگے کو نکل گئے اسی وقت ٹیلہ سے پانی جاری ہو گیا۔ جس کی رو میں آپ پھر واپس آگئے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ہاں ایک دفعہ مجلس سماع تھی۔ قوالوں نے جب یہ شعر پڑھا ؎

عاشق رویت کجا بیند بکس بستہ مویت کجا ماند خلاص

مرآۃ السالکین[1] میں لکھا ہے کہ اس شعر پر آپ کو دیر تک وجد آتا رہا۔

ہز میجسٹی امیر حبیب اللہ خاں فرمانروائے افغانستان جب ۱۹۰۷ء میں بعہد لارڈ کرزن وارد ہندوستان ہوئے تو ۱۶ر جنوری ۱۹۰۷ء کی صبح کو علی گڈھ بھی تشریف لائے۔ اُس زمانہ میں نواب محسن الملک کالج کے سکرٹری تھے۔ ہز میجسٹی امیر صاحب مختلف کمروں اور جماعتوں کا معائنہ وملاحظہ کرتے ہوئے جب ڈرائینگ ہال (سر سالار جنگ کے عطیہ کی یادگار سالار منزل) میں تشریف لائے اور وہاں کتبہ میں جو دیوار میں نصب تھا سر سید احمد خاں بانی کالج کا یہ شعر پڑھا ؎

اجرش دہد خدائے کہ کرد است یاوری باآں کساں کہ ناصر و یاور نداشتند

تو ہز میجسٹی کے دل پر بہت اثر پڑا۔ اور ان کی آنکھوں کے سامنے مسلمانوں کی حالت زار اور ذی مقدرت اہل اسلام کی ضرورت توجہ کی تصویر پھر گئی۔ ہز میجسٹی نے

[1] صفحہ نمبر ۸۰ مطبوعہ سیکی پریس گوجرانوالہ مصنفہ مولوی امام الدین صاحب چشتی

کالج کو بیس ہزار نقد اور چھ ہزار روپیہ سالانہ عطا فرمایا۔

الہ آباد میں جب محمڈن ایجوکیشنل (اسلامی تعلیمی) کانفرنس کا جلسہ ہوا۔ تو ہزارہا حاضرین کے سامنے جن اشعار کو پڑھکر نواب محسن الملک مرحوم وجد میں آ گئے تھے۔ وہ مولانا حالی مرحوم مصنف حیات سرسید احمد خاں نے حسب ذیل لکھے ہیں ؎

دلبرانِ ماہ پیکر دیدہ ام   در جمالت چیز دیگر دیدہ ام

ایں چہ نورست اینکہ تاباں از تو ہست   ہفت کوکب نور افشاں از تو ہست

تو مکمل از کمال کیستی   مظہرِ نورِ جمال کیستی

یہ تینوں شعر نواب محسن الملک نے نہایت ذوق و شوق بلکہ بےخودی کے عالم میں سرسید کو مخاطب کر کے پڑھے تھے۔ مولانا حالی لکھتے ہیں اُس وقت کا سماں کبھی دل سے فراموش نہیں ہوتا ؎[1]

مولوی محمد مجید الدین صاحب المخاطب بہ ولی اللہ ارشدی عثمانی (نجارہ راجپوتانہ) ۵ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ کو ایک محبت نامہ میں اطلاع دیتے ہیں کہ میں مدنپورہ سلطانپور اور پرتاب گڈھ وغیرہ مقامات سے ہوتا ہوا الہ آباد پہنچا۔ یہاں ۲ رمضان المبارک کو شیخ رحیم بخش صاحب سوداگر چوک کے ہاں حضرت سید وصی علی شاہ صاحب مخدوم زادہ سندیلوی کی فاتحہ تھی۔ بعد نماز عشاء درود خوانی ہوئی۔ اس کے بعد فاتحہ خوانی کی رسم عمل میں آئی۔ اور آخر میں مجلس سماع منعقد ہوئی۔ جب قوال نے یہ شعر پڑھا ؎

بہ تیغ ادائے تو سر مے فروشم   بہ نوکِ سنانت جگر مے فردشم

تو شاہ محمد بشیر صاحب محمدی ابوالعلائی کو اس شعر پر کیفیت طاری ہوئی۔ اور وہ دیر تک "حال" میں رہے

شیخ جلال الدین تھانیسری رح جو عالم متبحر اور مولانا گنگوہی رح کے مرید تھے۔ جب ایک مرتبہ روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے تو آواز آئی کہ اپنے پیر مدعنی کو ہمارا اسلام کہدینا جب آپ حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت میں پہنچے

[1] حیات جاوید حصہ دوم صفحہ ۳۰۲ طبع اول

تو کہا کہ بوقت رخصت روضہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے یہ آواز آئی تھی کہ اپنے پیر سے ہمارا سلام کہدینا۔ فرمایا جو اصل الفاظ ہیں وہ کہو۔ پیغام میں کتر بیونت کا کیا مطلب۔ مولانا جلال الدین خوف اور بے ادبی کی وجہ سے اصل الفاظ کہنے سے ہچکچاتے تھے۔ آخر حضرت کے اصرار سے "پیر بدعتی" کے الفاظ بھی کہدیئے یہ الفاظ سنتے ہی آپ پر وجد کی حالت طاری ہوگئی۔ کودتے اور اچھلتے تھے اور خواجہ حافظ شیرازی کا یہ شعر بار بار پڑھتے تھے ؎

دم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی	جواب تلخ مے زیبد لب لعل شکر خارا

تذکرہ غوثیہ میں لکھا ہے کہ تین روز تک یہی عالم رہا۔

ایک مرتبہ حضرت غوث علی شاہ قلندری نے پانی پت میں (جہاں آپ کا مزار واقعہ ہے) اپنی مجلس میں خواجہ حافظ کی یہ غزل پڑھی ؎

حسب حال نہ نوشتے شدہ ایامے چند	قاصدے کو کہ فرستم بتو پیغامے چند
ما بداں منزل عالی نتوانیم رسید	ہاں مگر لطف شما پیش نہد گامے چند
اے گدایان خرابات خدا یار شماست	چشم انعام مدارید ز انعامے چند
زاہد از کوچہ رنداں بسلامت بگذر	تا خرابت نکند صحبت بدنامے چند
پیر میخانہ چہ خوش گفت بدردکش خویش	کہ مگو حال دل سوختہ با خامے چند

حضرت یہ غزل پڑھتے تھے اور اہل مجلس لوٹ پوٹ ہوتے جاتے تھے" کیفیت اہل بزم کی تھی کوئی دل نہ تھا جو مضطرب نہ ہو اور کوئی آنکھ نہ تھی۔ جو اشک آلودہ نہ ہو گئی ہو۔

ایک دن حضرت غوث قلندری کی مجلس گرم تھی۔ حضرت مولوی شاہ گل حسن صاحب قادری مصنف تذکرہ غوثیہ و خلیفہ حضرت مرحوم نے عرض کیا کہ میاں احسان اللہ مثنوی بہت اچھی پڑھتے ہیں۔ ارشاد ہوا اچھا حکایت شبان پڑھو۔ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خدا سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں ؎

تو کجائی تا شوم من چاکرت	چارقت دوزم کنم شانہ سرت

اے خدائے من فدایت جان من   جملہ فرزنداں وخان و مان من

تذکرہ غوثیہ میں لکھا ہے کہ جب یہ حکایت شروع ہوئی تو حضرت[۱] کے چہرہ مبارک کا رنگ سرخ اور آنکھیں مثل شمع روشن ہوگئیں آنسو ٹپ ٹپ مینہ کی طرح برسنے لگے تمام مجلس کی یہ حالت تھی کہ ایک کی دوسرے کو خبر نہ رہی۔ ایک عجیب وغریب کیفیت طاری تھی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔ اٹھارہ برس کے عرصہ میں صرف اس روز حضرت کو روتے ہوئے دیکھا۔

[۱] آپ کا نام سید غوث علی شاہ رہ تھا۔ آپ کے حالات نہایت عجیب وغریب ہیں۔ اور پڑھنے کے قابل ہیں ولادت آپ کی ۱۲۱۹ھ کو ہوئی اور وفات ۲۶ ربیع الاول ۱۲۹۷ھ کو عمر ۷۸ برس چھ مہینے کچھ دن کی تھی سلسلہ قادریہ تھا۔ ساری عمر سیر وسیاحت اور تجرید میں بسر کی۔

حصۂ پنجم

درد دل

احمدی جماعت کے خلیفۃ المسیح مولوی حکیم نورالدین صاحب مرحوم اپنے بھوپال کے حالات سفر کے دوران میں لکھتے ہیں[۱] جب میں گوالیار پہنچا۔ تو میری ایک ایسے بزرگ سے ملاقات ہوئی جو حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے مخصوں میں تھے۔ مجھ کو ان کی صحبت میں کچھ ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ میں وہیں رہ پڑا۔ مجھ سے باتیں کرتے کرتے انہوں نے یہ دو شعر پڑھے

نہ کر عوض مرے عصیان و جرم بیجد کا ۔۔۔ کہ تیری ذات غفور الرحیم کہتے ہیں
کہیں نہ کہدے عدو دیکھکر مجھے غمگین ۔۔۔ یہ اس کا بندہ ہے جسکو کریم کہتے ہیں

ان شعروں کا اثر جو میرے دل پر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ آج (۱۳۳۱ھ میں) اس بات کو شاید پچاس برس کے قریب زمانہ گذرتا ہے۔ لیکن وہ لذت اب تک بھی فراموش نہیں ہوئی۔ اگرچہ یہ دعا ادعیۂ مسنونہ کی برابری نہیں کرسکتی۔ مگر معلوم نہیں کیسے دل سے نکلی تھی جس میں عجیب قسم کا اثر ہے۔

انوار تیراہی معروف بہ گلزار نوری میں لکھا ہے کہ حضرت قبلہ عالم کا ایک مخلص فقیر محمد نام حضور کی قبر کا غلام ہو کر تین سال تک زندہ رہا۔ اور اس عرصہ میں رو رو کر یہ شعر پڑھتا تھا اور یہاں سے جلنے کا نام نہ لیتا تھا

جیتے جی جاؤں میں کیونکر کوئے جاناں چھوڑکر ۔۔۔ بلبل نالاں کہاں جائے گلستاں چھوڑکر

مولوی نور احمد صاحب تذکرہ توکلیہ میں لکھتے ہیں۔ ماہ رمضان میں ایک دن نماز عشاء پڑھکر مولوی فیض الحسن سہارنپوری مرحوم کی یہ نعتیہ غزل پڑھ رہا تھا

---

[۱] مرقاۃ الیقین فی حیات نورالدین مولفہ مولوی اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی

تراادنیٰ ہے یا احمد مقام اللہ اکبر کا ۔ تری رتبہ شناسی رتبہ ہے بیچون او رکا
زمیں بوسی سے تیری خاک کو رتبہ ہوا حاصل ۔ رہا باقی فلک کو پیٹنا اپنے مقدر کا
یہ جوش بے قراری ہے کہ مرغ نیم بسمل بھی ۔ یہ کہتا ہے چلو دیکھو تڑپنا فیض مضطر کا

لکھتے ہیں۔ پڑھتے پڑھتے رقت طاری ہوئی۔ اور اسی حالت میں عالم غنودگی میں چلا گیا۔ دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نورانی شکل میں میرے سامنے کھڑے ہیں

حضرت خواجہ الہ بخش تونسوی نے ایک مرتبہ اپنے دربار کے مشہور گویئے عالم شاہ سکنہ جھنگ اقوالہ کو غذائے روح کے مہیا کرنے یعنی کچھ گانا سنانے کا ارشاد فرمایا عالم شاہ نے ایک غزل پڑھی جس کا مطلع یہ ہے ؎

صحت پہ ناز رکھتا ہے آزار آپ کا ۔ عیسے کی نبض دیکھے ہے بیمار آپ کا

خواجہ صاحب نے اس شعر کے مکرر سہ کرر کہنے کا ارشاد فرمایا۔ اور حاضرین سے مخاطب ہو کے کہا واہ وا کیا اچھا شعر ہے جو جذبات وکیفیات پیدا کر دیتا ہے۔

۱۹۱۱ء میں عید مولود نبوی صلعم کے متعلق اسلامیہ کالج لاہور کے حبیبیہ ہال میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں بیرسٹر۔ گریجوایٹ۔ عالمان دین۔ ایڈیٹران اخبارات اور عام لوگ بھی شامل تھے۔ حضرت حافظ حاجی سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری بھی اس بزم میں تشریف رکھتے تھے۔ وعظ ہوئے۔ نعتیں پڑھی گئیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی کے طیب حالات بیان ہوئے۔ لیکن جب مولوی ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر اخبار زمیندار نے اپنا خمسہ پڑھا۔ حاضرین کے دلوں کی عجیب حالت تھی۔ چاروں طرف سے ہو۔ حق اور اللہ کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ عوام کا تو کیا ذکر ہے تمام انگریزی خواں جھوم رہے تھے۔ اور کئی اصحاب جن میں بیرسٹر اور گریجوایٹ صاحبان بھی تھے۔ رومال سے اپنے آنسو پونچھ رہے تھے۔ نغمہ ظفر نے دلوں میں ایک چنگاری سی لگا دی تھی۔ نظم کے ختم ہونے کے بعد لوگ مولوی ظفر علی خاں کے ہاتھ چومتے تھے۔ ان سے بغل گیر ہوتے تھے۔ اور اس طرح اپنی وجدانی کیفیت کا ثبوت اور ان کے کلام کی داد دیتے تھے۔ اشعار حسب ذیل ہیں ؎

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں | اک روز چھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
لولاک لما کا شور نہ ہو گر ارض و سما کی محفل میں | یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا | وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں[1]
وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکان فلسفہ سے | ڈھونڈھے سے ملیگی عاقل کو قرآن کے سیپاروں میں
بوبکر و عمر عثمان و علی ہیں گرچہ نہیں ایک ہی مشعل کی | ہم مرتبہ ہیں یاران نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

اکتوبر سنہ ۱۹۱۳ع کے آخری ہفتہ اور نومبر کے ہفتہ اول کا ذکر ہے۔ میں ان دنوں سخت بیمار اور بہ تبدیل آب و ہوا کے لئے سمجھوں میں مقیم تھا۔ بیماری روز بروز رو بترقی تھی۔ اور میں اپنی زندگی سے قریباً مایوس ہو چکا تھا۔ کسی چیز سے دلبستگی نہ تھی۔ نالۂ دلخراش کی ایک طویل نظم کا پہلا بند عموماً ورد زبان رہتا تھا جس کے چند شعر حسب ذیل ہیں:-

عالم فانی میں ہے ہر چیز کی کچھ انتہا | یہ کوئی انصاف ہے غم ہو کبھی وہ کم نہ ہو
ہم خطاکار و گنہ گار آہیں کوئی شک نہیں | تو ہے آقا تجھ کو زیبا ہے کہ تو برہم نہ ہو
ہم نے یہ مانا کہ ہے تخلیق انسان بہر غم | ساتھ اسکے یہ بھی ہونا چاہئے پیہم نہ ہو
کچھ دنوں تو چاہئے اسکے لئے آخر بقا | مانتے ہیں ہم بنائے عمر مستحکم نہ ہو

مصلحت سے موت بھی خالی نہیں تسلیم ہے
نوجوانی میں مگر یہ قابل ترمیم ہے

[1] مولانا شاہ سلیمان پھلواری شریف (پٹنہ) کے فرزند مرحوم حضرت شاہ حسن میاں صاحب اپنے ایک خط میں جو نمبر سنہ ۱۹۱۰ع کے پنجاب ریویو لاہور جلد ۱ نمبر (۲) میں صفحہ (۷) پر درج ہوا ہے پنجاب ریویو کے ایڈیٹر اور اس شعر کے مصنف مولوی ظفر علی خاں صاحب بی۔اے کو لکھتے ہیں "آپ کے اشعار بعنوان صلو علیہ و آلہ پنجاب ریویو اور نظام المشائخ میں دیکھے۔ شعر ۳ میرے حضرت قبلہ والد ماجد کو بہت پسند آیا۔ اور نہایت ہی رقت و وجد کے عالم میں آپ کو دعائیں دی گئیں اللہ تعالے آپ کے ایمان میں۔ آپ کے خیال میں۔ آپ کی عمر میں۔ آپ کے مال و متاع میں آپ کی عزت و جاہ میں۔ آپ کے اہل و اولاد میں سب میں برکت عطا فرمائے۔ میرے حضرت والد ماجد قبلہ عالم مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب قادری چشتی آپ کو سلام و ارشاد فرماتے ہیں" الخ

شدت گریہ سے میری یہ حالت تھی کہ میں ایک مصرع بھی صاف نہیں پڑھ سکتا تھا
تنہائی میں ان اشعار کو پڑھا کرتا اور ان کے تاثرات و جذبات کی کشش سے رویا
کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ آنکھ لگ گئی۔ اور خواب میں جو کیفیت مجھے نظر آئی باوجود
بیماری کے بڑھتے جانے اور کسی طرح کم نہ ہونے کے اس نے میرے دل کو کچھ تقویت سی
دیدی۔ آخر میں لاہور آیا۔ اور شافیٔ مطلق نے عید الفطر کے ایک دن بعد یعنی ۱۱ر نومبر کو
کامل ۱½ ماہ کے بعد مجھے بخار سے نجات بخشی۔

۱۰ر اکتوبر ۱۹۱۱ء کو نماز عصر کے بعد بادشاہی مسجد لاہور میں مسلمانان طرابلس کے متعلق
ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم اے۔ پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا نے "خون شہدا کی نذر" کے عنوان
سے ایک نظم پڑھی جس کا مضمون یہ تھا کہ جب میں رخت سفر باندھ کر یہاں سے روانہ
ہوا۔ اور فرشتے مجھے بزم رسالت میں لے گئے تو حضور نے فرمایا ؎

نکل کے باغ جہاں سے برنگ بو آیا　　　ہمارے واسطے کیا تحفہ لیکے تو آیا

تو اکثر لوگ جنبش کھا گئے۔ اور جب جواب میں یہ کہا کہ ریاض دہر سے وفا کی نہیں
ملی۔ البتہ اک آبگینہ نذر کو لایا ہوں اگر وہ آبگینہ کیا ہے ؎

جھلکتی ہے تری اُمت کی آبرو اس میں　　　طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

تو اس آخری شعر نے سامعین کے قلوب پر جو اثر کیا۔ اور بھرے مجمع میں جو درد ناک
کیفیت پیدا کر دی اس کی ادنیٰ کیفیت یہ ہے کہ الا اللہ کے نعرے بلند ہوتے تھے
اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو رہے تھے۔

حضرت حاجی شاہ محمد شیر[1] کی مجلس گرم ہے پیلی بھیت میں یہ آفتاب ہدایت گم گشتگان
منزل کو راہ راست پر لا رہا ہے۔ ظہر کی نماز پڑھی جا چکی ہے۔ میاں خواجہ بخش قوال جو
آپ کا درباری قوال ہے۔ ذیل کا خمسہ گا کر اپنی خوش گلوئی کی داد حاصل کر رہا ہے۔

تری نگاہ کے مجروح اور بھی ہیں کئی　　　کسی کے دل میں رہی اور کسی کے پار گئی

---

[1] آپ کا وطن شاہجہانپور اور پیدائش پیلی بھیت کی تھی جامع شریعت و طریقت تھے ایک سو بیس برس سے
زیادہ کی عمر میں بمقام پیلی بھیت وفات پائی (ازسالک السالکین جلد اول)

مگر یہ مجھ سے ہی کی نرک تونے بات نئی ۔۔۔ درون سینۂ من زخم بے نشان زدہٖ
بحیرتم کہ عجب تیر بے کمان زدہٖ

مولوی مرزا محمد عبدالستار بیگ صاحب سہسرامی مصنف تذکرۃ الواصلین جو حضرت بابا شیر کے مریدان باوفا میں سے ہیں لکھتے ہیں۔ میں بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ میں اس وقت کی کیفیت اور لطف کو کیا بیان کروں۔ زبان کو اس کے بیان کا یارا نہیں مشتاقان جگر سوختہ تڑپتے تھے اور لوٹتے تھے۔

میاں خواجہ بخش قوال حضرت بابا شیر رح کے نہایت مقبول نظر گویے تھے اور جب کبھی سماع کی مجلس ہوتی تھی تو میاں خواجہ بخش کی شمولیت ایک لازمی امر قرار دی گئی تھی چنانچہ ایک مجلس میں قوال مذکور نے یہ دوہا پڑھا۔

ہم اوچھے سب بات کے اور تم مولوے مہراج ۔۔۔ نظر کرم کی راکھیو بانہہ گہے کی لاج

خواجہ بخش کی آواز حضرت بابا شیر کی موجودگی۔ اہل اللہ اور اہل دل کی مجلس اور نیازمندی و اعترافات تقصیرات کے مضمون سے لبریز شعر! ظاہر ہے کہ سب لوگ قال سے حال میں آگئے ہونگے۔ چنانچہ تذکرۃ الواصلین میں لکھا ہے کہ اس موقع کو یاد کرتے ہیں اور روتے ہیں۔

حضرت شاہ غلام نبی صاحب رح ابو العلائی فیروز پوری اور میاں شاہ جیون صاحب اور حضرت شاہ محمد شعیب صاحب عثمانی ابو العلائی تجاروی کی مجلس میں ایک دن سماع ہوا۔ رشید مطرب نے یہ خیال شروع کیا ہے

من موہنی صورت پیاری لگی ۔۔۔ عزیز خاں گھائل کر ڈاری
مرلی کی دھن میرے کاری لگی

حضرت شاہ محمد شعیب بے خود ہو کر حضرت شاہ غلام نبی رح کی چارپائی کے گرد پھرتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد شاہ جیون صاحب پر بھی حالت طاری ہوگئی یہ دیکھ کر حضرت شاہ غلام نبی گھبرا۔ پائی سے اتر کر فرش شطرنجی پر بیٹھ گئے حضرت شاہ صاحب نے تھوڑا سا پانی منگایا۔ کچھ آپ پیا۔ اور باقی باندہ ان دونوں حضرات

کو بقول مخاصاں شاہ مے بخشند مئے نوشیدہ مخمور را عطا فرمایا جس سے انکی بیقراری کے شعلے مدہم پڑ گئے ۔

حضرت مولانا عبد القدوس گنگوہی رہ کبھی کبھی تھانیسر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اُس زمانہ میں شیخ جلال الدین تھانیسری بڑے متبحر عالم تھے ۔ وہ حضرت مولانا گنگوہی کے مریدوں سے اکثر کہا کرتے تھے کہ تمہارا پیر نچیا ہے۔ یعنی ناچا کرتا ہے مریدوں نے حضرت کے پاس شکایت کی کہ شیخ جلال الدین ہم کو ٹوکتے رہتے ہیں فرمایا اگر پھر کبھی کہیں تو کہنا کہ وہ ناچتے بھی ہیں اور نچا بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ مولانا جلال الدین نے مولانا گنگوہی کی تشریف آوری پر اُن کے ایک مرید سے کہا۔ کیوں میاں تمہارے پیر نچیا آ گئے ۔ اس نے کہا ہاں صاحب ہمارے پیر ناچتے بھی ہیں اور نچا بھی دیتے ہیں۔ یہ سنتے ہی مولوی صاحب نے کپڑے پھاڑ جنگل کی راہ لی۔ کئی دن کے بعد ہوش آیا تو حضرت کی خدمت میں لکھا ؎

کر[1] کانپے لیکھن ڈگے اور روم روم تھرائے　　　سُدہ آوت چھاتی پھٹے جو پاتی لکھی نہ جائے

حضرت نے اس کے جواب میں لکھا ؎

پیتم[2] پتیاں جب لکھوں کہ جو تم ہو بدیس　　　تن موں من موں نین موں تن کو کیا سندیس

یہ شعر دیکھتے ہی مولانا جلال الدین جو اپنے زمانہ میں علم و فضل میں کمال رکھتے تھے بے خود ہو گئے ۔ ہوش میں آئے تو دیکھا کہ سینہ تمام دنیاوی آلائشوں سے پاک ہے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ مرید ہو کر خلافت حاصل کی اور گوشہ نشین ہو گئے۔[3]

تذکرہ غوثیہ دحالات حضرت مولانا سید غوث علی شاہ قلندری پانی پتی قدس سرہٗ

---

[1] کر مراد ہاتھ ۔ لیکھن ۔ قلم ۔ ڈگے ۔ گرے ۔ روم ۔ بال ۔ سُدہ ۔ ہوش ۔ مطلب ۔ ہاتھ اور تمام بدن لرزہ میں ہے ۔ قلم ہاتھ سے گرا جاتا ہے ۔ خط لکھوں تو کس طرح لکھوں ۔ اور جب ہوش آتا ہے تو فراق میں سینہ شق ہو جاتا ہے ۔ [2] پیتم ۔ دوست ۔ پتیاں ۔ خط ۔ بدیس ۔ دور یعنے اے دوست خط اس کو لکھا کرتے ہیں جو دور رہو ۔ اور جو تن میں اور آنکھوں میں ہو اسکو کیا پیغام دیا جائے [3] تذکرہ غوثیہ صفحہ

میں لکھا ہے کہ حضرت غوث قلندری ایک مرتبہ کلیر شریف گئے - جہاں حضرت مخدوم علاؤالدین احمد صابرؒ کا مزار متبرک واقعہ ہے - آہنگ سرودگی دھوم ارباب شوق کی مستی اور اصحاب ذوق کی بالادستی سے ہنگامہ بزم گرم ہوا مطربان خوش آہنگ کسی سوختہ دل کا یہ شعر گا رہے تھے ؎

یہ شکایت ہے ہمیں اس ساقی گلفام سے	دور ساغر میں ہمیں محروم رکھا جام سے

تین شخص یہ شعر سنکر بادہ شوق سے سرمست ہوئے جنھوں نے "وجد و حالت" کی گرماگرمی سے اصاغر و اکابر کو خاموش کر رکھا تھا حضرت غوث قلندری نے تینوں سے الگ الگ کچھ سوالات کر کے اُن کے جوش و خروش کو دھیما کیا -

حضرت امام الدین صاحب الموار اللہ برہانہ متخلص بہ شوقی ایک زبردست شیخ ہوئے ہیں ستمبر ۱۹۱۴ء میں آپ کا عُرس تھا جو آپ ہی کی مندرجہ ذیل غزل سے شروع ہوا ؎

بحث علم عالمانی اور ہے	عاشقوں کی لن ترانی اور ہے
کیا کریں ہم شکل یوسف دیکھکر	وہ ہمارا یار جانی اور ہے
ظاہرا رخبش کی صورت ہے کچھ اور	لیکن الطاف نہانی اور ہے
شمع پر پروانہ کا جلنا ہے دل	سوزش روح روانی اور ہے
مرگیا مرنے سے پہلے جو کوئی	اس کی عمر جاودانی اور ہے
نالہ بلبل ہے شوقی اور کچھ	میری آشفتہ بیانی اور ہے

اس غزل پر سامعین اور مشائخین پر بڑی رقت طاری ہوئی - اور جملہ حاضرین محفل کی حالت میں تغیر آ گیا[۱] جذبات اور کیفیات کا ایک دریا تھا جو ہر شخص کے دل میں لہریں مار رہا تھا -

مولوی عبد الحکیم خاں لودہی مصنف شوکت افغانی اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۲[۲]

۱؎ از اخبار سول اینڈ ملٹری نیوز لدھیانہ مورخہ ۱۱ر دسمبر ۱۹۱۴ء

۲؎ صاحبزادہ سلطان احمد خاں بیرسٹرایٹ لا چیف جسٹس ہائی کورٹ گوالیار اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں بیرسٹرایٹ لا جائنٹ سکرٹری محمڈن کالج علیگڈھ آپ ہی کے صاحبزادے ہیں -

پر لکھتے ہیں۔ جب میں نواب غلام احمد خاں احمدی مرحوم[۵۴] (سابق ممبر کونسل ہزایکسیلنسی گوالیار) کا یہ شعر پڑھتا ہوں ؎

گلستاں میں گلوں کے کان ہیں آواز پر تیری
ترا ذکرِ خفی کرتا ہے ہر پتہ زباں ہو کر

تو گھڑیوں اس کی کیفیت سے مسرور رہتا ہوں۔ جن نیچرل تشبیہوں اور قدرتی استعاروں میں یہ شعر ڈوبا ہوا ہے وہ وجد میں لے آتے ہیں۔

پیر جی سرافراز علی صاحب ساکن ہردوئی[۵۵] نے فرمایا۔ مرشدنا و مولانا مسعود شاہ صاحب دہلوی نے بلحاظ خاندان چشتیہ سماع سننے کی اجازت دے رکھی تھی لیکن اپنی طرف سے انعقاد مجلس کو منع فرما دیا تھا چنانچہ جب تک یارانِ جلسہ باقی رہے شریک محفل سماع ہوا کرتا تھا۔ اور اس وقت جن جن شعروں پر لوگوں کو کیفیت طاری ہوتی تھی وہ اب تک یاد ہیں۔ اور جب کبھی پڑھتا ہوں وہی وجدانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ ذیل کے دو شعر (جو ہماری ظاہر بین نظروں میں بالکل معمولی اور عام ہیں) بڑے میاں کے پڑھتے ہی باوجود اس کبر سنی کے ان کے بدن کو حرکت ہوئی اور وہ چند لمحہ تک خاص کیفیت میں رہے[۵۶] شعر یہ ہیں ؎

گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا
نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

سمایا ہے نظروں میں ایسا تو میرے
جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

لارڈ کیننگ ہندوستان میں گورنر جنرل تھے۔ ۱۸۵۶ء کا زمانہ تھا۔ اور اودھ کا آخری بدقسمت بادشاہ واجد علی شاہ کلکتہ میں اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا تھا نواب خاص محل (بیگم) کی مرضی کے خلاف ایک طویل قصیدہ نواب گورنر جنرل بہادر کی شان میں لکھا۔ زمانہ کا انقلاب دیکھو کہ جس کی شان میں سینکڑوں اور ہزاروں قصیدے پڑھے گئے۔ اب خود وہ اوروں کے لئے قصیدہ لکھتا ہے۔ یہ قصیدہ عبرت الناظرین ہے اور اڑتالیس بیت پر مشتمل ہے۔ صرف چند شعر ذیل میں درج کئے

---

[۵۵] پیر سرافراز علی صاحب قادری چشتی اسی سالہ بزرگ ہردوئی (صوبہ متحدہ) میں مقیم ہیں۔

[۵۶] اقتباس خط مولانا ارشدی عثمانی نجاروی بنام مصنف۔

جلتے ہیں ؎

ترا ایں کمترین اک مدح خوانِ ذاتِ انور ہوں
تیرے لطف و عنایت کا نہ سایہ مجھ سے اب کم ہو

جو دامن تیرا پکڑا ہے تو پوری دستگیری کر
کدھر جاؤں کہوں کس سے جو میرا کام ہر دم ہو

یہ چھوٹے چھوٹے بچے ننھی جانیں بچ گئیں بے شک
یہی ہے آرزو مجھ پر عنایت اب نہ یہ کم ہو

مقدم سب پہ ہے میری ہائی بے خطا ہوں میں
الٰہی نیر اسکا ہر دمہ پر بھی مقدم ہو

ولی شاہ اودھ دیتا ہے تجھ کو یہ دعا ہر دم
دعائے اختر ناچار میں تاثیر ہر دم ہو

رہے حکم و حکومت ملکۂ عالم کی دنیا میں
وزیر ملکۂ انگلینڈ ہر دم شاد و خرم ہو

جب یہ قصیدہ نواب گورنر جنرل کے ملاحظہ سے گذرا تو بادشاہ کا مرثیہ حال دیکھ کر دل پر بہت اثر ہوا حکم ہوا جو بادشاہ طلب کریں بے تامل بھیجدو۔ بادشاہ نے دو لاکھ طلب کیا۔ جو مل گیا [۲]

فنا فی القوم آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر بانی علیگڈھ کالج کی زندگی میں ایک مرتبہ مدرسۃ العلوم پر ایک نظم پڑھی گئی تھی جس میں ایک شعر یہ بھی تھا ؎

دور سے ابہد نے جھلکی سی اک دکھلائی ہے
ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینے آئی ہے [۳]

معلوم نہیں عوام پر اس شعر کا کیا اثر ہوا۔ لیکن سر سید اس شعر پر لٹو ہو گئے۔ اور انہوں نے اس شعر سے وہ کام لیا۔ جو اور کسی کے خیال اور ذہن میں مشکل سے آ سکتا ہے اور ممکن ہے کہ خود شاعر کو بھی اس شعر کے عملی صورت میں آنے کی کبھی توقع نہ ہوئی ہو۔ سر سید نے اس شعر کو سامنے رکھکر چندہ وصول کرنے کی یہ تدبیر کی کہ مسلمانوں کی حالت کو ایک تباہ شدہ جہاز کی صورت میں ظاہر کیا۔ اور مدرسۃ العلوم کو ایک کشتی کی شکل میں دکھایا۔ جو جہاز والوں کو اس تباہی سے نکالنے کے لئے جہاز کی طرف آ رہی تھی۔ غرض یہ تصویر بنا کر انہوں نے نواب مختار الملک مرحوم (حیدر آباد دکن) کی خدمت میں بھیجی۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ نواب مختار الملک نے اپنی گرہ

---

[۱] تخلص سلطان عالم واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کا ہے۔ [۲] تاریخ اودھ جلد دوم صفحہ ۳۷۸ [۳] غالباً یہ شعر مولانا حالی مرحوم کا ہے۔

سے بھی معقول رقم دی۔ اور حضور نظام دکن (مرحوم) سے پہلے تین سو پھر پانچ سو ماہوار دلایا جو بعد میں دو ہزار ماہوار ہو گیا۔

۱۹۰۸ء یا ۱۹۰۹ء کا ذکر ہے۔ آنریبل مسٹر گوپال کرشن گوکھلے[1] پونہ سے لاہور میں آئے تھے ان کا استقبال اور ان کا جلوس نہایت شان و شوکت سے کیا گیا تھا ٹاؤن ہال میں اُن کا ایک لکچر بھی ہوا۔ ہندو مسلمان کثرت سے شامل تھے۔ لکچر سے پہلے مولوی محرّم علی صاحب چشتی ایڈیٹر رفیق ہند حال مختار عدالت لاہور نے آنریبل گوکھلے کی شان میں ایک معرکتہ الآرا نظم پڑھی جس کا مقطع یہ تھا ؂

نقطۂ توحید سے ہندو مسلمان ایک ہیں خواہ چشتی نام ہو اور خواہ مسٹر گوکھلے

مقطع کو بار بار پڑھوایا گیا۔ خود مسٹر گوکھلے جھومتے تھے اور بار بار اس کا تکرار کرتے تھے۔ بلکہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ یہ شعر مسٹر گوکھلے نے ردمن میں لکھ بھی لیا تھا۔ اور کہتے تھے گوکھلے چشتی ہے اور چشتی گوکھلے ہے۔

---

[1] ہندوستان کا یہ قابل ترین فرزند ۱۸۶۶ء میں کوھلاپور میں پیدا ہوا۔ اور ۲۰ فروری ۱۹۱۵ء کو پونہ میں انتقال کر گیا۔ ہندو مسلمان عیسائی سب نے آپ کے مرنے پر اظہار رنج و افسوس کیا ہے۔

حصۂ ششم

حال کے قال

مہاراجہ رنجیت سنگھ والی پنجاب کے زمانہ میں حافظ الہ بخش تخلص پیارا ایک نامی بزرگ گذرے ہیں^۱ مولوی حافظ ولی اللہ صاحب جنہوں نے عیسائیوں کے ساتھ مناظروں میں خاص نام پایا ہے۔ آپ کے فرزند تھے حافظ الہ بخش پنجابی زبان میں شعر کہتے تھے اور اچھا کہتے تھے۔ آپ نے ایک دن جمعہ کی نماز پڑھانے کے بعد وعظ فرمایا اور دم واپسین یا عالم نزع کی مشکلات کے متعلق اپنی تصنیف سے مندرجہ ذیل دو شعر پڑھے:۔

الف اوکھے ویلے ہوویں یار میرا۔ میری مشکلاں کل آسان کریں
میری عاجزی نوں منظور رکھیں میرے اوگناں ول نہ دھیان کریں
تینوں واسطہ رب دے نام دا ای۔ نظر فضل دی ہیں ول رحمان کریں
پیارا ہمام آکھدا دم اخیر دے نوں۔ میرا خاتمہ نال ایمان کریں

ترجمہ:۔ بارالٰہا مشکل (دم نزع) کے وقت میری دستگیری کر کے میری تمام مشکلوں کو آسان کر دے۔ میری عاجزی اور گریہ وزاری کو قبول فرما اور میرے گناہوں کی طرف خیال نہ کر۔ بارالٰہا تجھے اپنے نام کا واسطہ نظر فضل و کرم سے محروم نہ رکھنا پیارا (تخلص حافظ صاحب) یہ التجا کرتا ہے کہ جب اس کی موت آئی تو اس کا خاتمہ ایمان پر کیا جائے

ان بیتوں کے خاتمہ پر حافظ صاحب پر غشی کا عالم طاری ہو گیا۔ لوگ آپ کو حجرہ میں لے گئے۔ وہاں کچھ دیر تک لیٹنے کے بعد پھر غشی ہوئی پھر افاقہ ہوا۔ دوسرے دن نور کے تڑکے آپ نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اور جان جان آفریں کو سپرد کر دی۔

---

^۱ ۵۱ سال ولادت ۱۲۱۵ھ وفات ۱۲۶۶ھ از چشمہ حیات

فقیر عزیز الدین مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار کے نورتنوں میں ایک بے بہا رتن تھے۔ ہاشم شاعر پنجابی جن سے فقیر صاحب کی دوستی تھی۔ ایک دفعہ ان سے ملنے کے لئے آیا۔ فقیر صاحب اس وقت نماز پڑھ رہے تھے چونکہ نماز کا کوئی وقت نہ تھا۔ ہاشم جب ان کے پاس پہنچا۔ اور وہ بھی نماز سے فارغ ہوئے تو ہاشم نے کہا

ایہ سجدہ نہیں سج دا ابتھے کم کر کوئی پج دا

یعنے یہ بے وقت کا سجدہ زیبا نہیں دیتا کوئی ایسا کام کرو جو قابل تعریف ہو۔ فقیر صاحب پر اس فقرہ کا بڑا اثر ہوا۔ دیر تک پڑھتے اور جھومتے رہے ہاشم کی سسّی بہت مشہور ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے صرف اس پر ہاشم کو معقول انعام دیا۔ بلکہ اس کی سالانہ رقم بھی مقرر کر دی تھی۔ ایک دفعہ مہاراجہ نے کہا۔ ہاشم! کوئی بیت تو سسّی سے سناؤ۔ ہاشم نے نہایت خوش الحانی سے یہ شعر پڑھے۔

کامل شوق ماہی دا ہینوں نت رہے جگر وچہ وسدا لُوں لُوں رسدا رانجھن بے پرواہی سودا۔ انتے کوئی گناہ نہ دسدا۔ اُٹھ اُٹھ نسدا جو جو حال سناواں رورو ویکھ تتی دل ہسدا۔ ذرا نہ کھسدا ہاشم کام نہیں ہر کس دا۔ عاشق ہوں درس دا۔ برہوں رس دا

ترجمہ۔ مجھے اپنے محبوب دوست کے ملنے کا کامل شوق ہے جو ہمیشہ سے میرے جگر میں مقیم ہے بلکہ میرے رونگٹے رونگٹے میں ہے میرے دوست کی سرکار عجب بے پرواہ سرکار ہے وہ بغیر کسی قصور یا گناہ کے مجھ سے روٹھتا اور بگڑتا رہتا ہے اور میری حالت زار سننے سے بجائے متاثر ہونے کے ہنستا اور مذاق کرتا ہے ہاشم عاشق ہونا واقعی ہر کسی کا کام نہیں ہے۔

یہ دوہڑا سن کر مہاراجہ پر عجب شوق طاری ہوا۔ بار بار فرماتے تھے "کامل شوق ماہی دا" ہاں ہاشم کس طرح ذرا پھر سناؤ۔ چنانچہ اُس دن سات دفعہ یہی دوہڑا سنایا۔ دربار کے اراکین اور اُمراء وزراء بھی جھومتے تھے اور مزے لیتے تھے۔ اور جگر وچ وسدا۔ لُوں لُوں رسدا کی آوازیں آرہی تھیں۔

ایک دفعہ مہاراجہ صاحب لاہور سے امرتسر تشریف لے گئے۔ طبیعت بگڑ گئی۔ بہت علاج ہوا۔ لیکن کچھ فایدہ نہ ہوا۔ کسی نے کہا اگر اس وقت مہاراجہ کو ہاشم کے کچھ دوہڑے سنائے جائیں تو شاید آفاقہ ہو جائے فوراً ایک سوار جگدیو[۱] گیا۔ اور ہاشم کو ساتھ لے آیا۔ ہاشم نے اپنی نئی تصنیف لیلیٰ مجنوں سے یہ دوہڑا پڑھا۔

مجنوں درد دیوانا لیلیٰ میں گرد دکھاں دا گھیرا۔ نتے چند چو فیرا
لکھیا لیکھ ایہو کجھ میرا ایہ وس نہیں کجھ میرا۔ اتے نہ تیرا
ڈھونڈاں چال ملن دی کوئی اتے لاواں زور بتیرا۔ ملن او کھیرا
ہاشم رات پئی سر مجنوں پر اوڑک ہوگ سویرا۔ چاک اندھیرا

ترجمہ :۔ لیلیٰ مجنون دکھوں اور مصیبتوں کے قبضہ میں چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے یہ نوشتۂ تقدیر ہے اس میں نہ کچھ تیرا زور چلتا ہے نہ میرا۔ ملاقات کی راہیں بہت سی تلاش کرتا ہوں لیکن کوئی زور نہیں چلتا۔ اے ہاشم۔ مجنوں کے سر پر جو یہ کالی بلا رات آئی ہے آخر پردہ شب چاک ہونے کے بعد صبح کی روشنی بھی نمودار ہو گی

مہاراجہ نے جوش میں کہا نہیں ہاشم یہ نہیں۔ ایک دفعہ پھر وہی سناؤ۔ جو کامل شوق رانجھن والا پچھلے برس سنایا تھا حکم کی تعمیل کی گئی۔ کہتے ہیں اسی وقت مہاراجہ کی طبیعت سنبھل گئی۔ اور رفتہ رفتہ بالکل تندرست ہو گئے

ہاشم کے دوہڑوں۔ بیتوں اور شعروں میں کس قدر اثر تھا اور اس کی آواز میں کیسی مقناطیسی کشش تھی۔ مندرجہ ذیل واقعہ سے بخوبی معلوم ہو سکتی ہے جو اس کے خاندان کے لوگ بیان کرتے ہیں۔

ہاشم کے خوش الحان اور اس کے دل پر اثر کرنے والے دوہڑے سنکر ایک برہمنی اُن کی عاشق ہو گئی۔ سرکار دربار میں عورت ذات کی رسائی نہ تھی۔ لیکن اور جہاں کہیں موقع ملتا وہ پہنچتی اور ان کے دوہڑے سنتی۔ اور

[۱] جگدیو ضلع امرتسر میں ایک موضع ہے جو ہاشم کا وطن تھا۔ ہاشم شاہ ۱۱۶۶ھ میں پیدا ہوا اور ۷۰ برس کی عمر میں وفات پا گیا۔

زار زار روتی - اس نے ہاشم شاہ سے کئی مرتبہ ملاقات کی خواہش کی - لیکن وہ انکار ہی کرتے رہے - برہمنی کے رشتہ داروں نے چاہا کہ دونوں کا کام تمام کر دیا جائے - تاکہ قصہ ہی پاک ہو جائے - اسی اثنا میں یہ معاملہ مہاراجہ تک پہنچ گیا - مہاراجہ نے کہا ہمارے ہاشم کو کیوں تنگ کرتے ہو - تم عورت کو سمجھاؤ - تاکہ وہ اس کا خیال چھوڑ دے - انہوں نے سمجھایا لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا - آخر وہ مسلمان ہو گئی اور ہاشم نے اس سے نکاح کر لیا -

وارث شاہ کا نام پنجاب کے بچہ بچہ کی زبان پر ہے - ہیر وارث شاہ نہ صرف زبان - محاورہ - روزمرہ - نئے نئے مضامین اور خیالات کی بلند پروازی ہی کا مجموعہ ہے - بلکہ صاحبان بصیرت کے لئے وہ حکمت و معرفت کے انمول موتی ہیں - آپ اور ولی کامل حضرت بلھے شاہ قصوری ہم مکتب تھے - اور قصور میں مولوی حافظ غلام مرتضیٰ صاحب کے مکتب میں پڑھا کرتے تھے - مولوی صاحب کو جب خبر ہوئی کہ وارث نے ہیر لکھی ہے تو وہ خفا ہوئے - اور عتاب نامہ لکھا - وارث شاہ ان دنوں جاہد کے ٹھٹھے (متصل پاک پٹن) میں مقیم تھے - اُستاد کا عتاب نامہ دیکھکر دوڑے آئے اور معذرت کے خواستگار ہوئے - مولانا نے کہا اس درس سے جو نکلا اچھا نکلا - مگر تم اور بلھے شاہ خدا جانے کس گھڑی آئے کہ درس بدنام ہو گیا ہے اُس نے پڑھا تو سارنگی لے لی - اور تم نے پڑھا - تو یہ کام کیا - دوسرے دن مذاقاً وارث سے کہا " جو لکھا ہے اس سے کچھ سنا تو سہی " پھر وہ مقام سنایا جہاں بھابیوں اور بھاوجوں کی ناراضگی کا تذکرہ تھا - پھر خاتمہ کا وہ حصہ پڑھا جسکے دو شعر یہ ہیں

ہیر روح تے چاک قلبوت جانوں بالناتھ ایہہ ہیر بنایا ای
پنج پیر نے پنج حواس تیرے جنہاں تھاپناں تدھ نوں لایا ای
کیدو لنگا شیطان ملعون جانی جس نے وچ دیوان پھرایا ای
کوٹھا گور اتے عزرائیل کھیڑا اجیہڑا البیندا ای روح نوں دھایا ای

ترجمہ:- ہیر کو روح تصور کرو اور چاک کو قلبوت (جسم) پانچ پیروں کا جو ذکر ہے۔ وہ در اصل پانچ حواس ہیں جن کے سہارے پر تیری زندگی کا دارو مدار ہے۔ کیدو لنگڑے کو اس کے کارناموں کی وجہ سے شیطان سمجھنا چاہیے۔ مکان کو قبر تصور کرو اور کھیڑا جس کے نام سے ہی روح فنا ہوتی تھی۔ عزرائیل ہے جو روح کو لیتے ہی فرار ہو گیا۔

یہاں تک سنا تھا کہ مولانا کی حالت بدل گئی۔ عشق الٰہی کی آگ بھڑکی اور ایسی بھڑکی جس سے مجبور ہو کر ایک درویش کو فرمایا "میرے سر پر لوٹے سے پانی ڈالو" خادم نے تعمیل کی لیکن تعجب ہے کہ جب سکت ہوئی تو پھر وہی شعر پڑھنے کو کہا پھر کیفیت طاری ہوئی پھر پانی ڈالا گیا۔ اور آخر کہا وارث تم نے بھی بہار دانش کے مصنف عنایت اللہ کی طرح جواہرات مُنج کی رسی میں پرو دیئے ہیں۔

خواجہ محمد سلیمان ایک مرتبہ حضرت خواجہ مہاروی کے عرس پر جا رہے تھے راستہ میں حامی پور میں قیام ہوا۔ اشراق کے بعد مجلس منعقد ہوئی۔ جب قوالوں نے یہ پنجابی راگ گایا ہ

ہیرے ہیرے ہینوں مت کوئی آکھو نہ ہیں ہیر سا میٹی
نہ میں سنگ کھیڑیاں دی بھائی نہ ہیں چوچاک ہیٹی
ذات صفات اونی ونجہ رہیاں ہیناں چاک دے دل جکپیٹی

ترجمہ

ہیر ہیر کے نام سے مجھے مت پکارو۔ میں ہیر نہیں ہوں۔ نہ کھیڑیوں سے میرا تعلق د واسطہ ہے۔ اور نہ میں چوچک کی بیٹی ہوں ذات صفات کی یہاں کیا ضرورت۔

حضرت خواجہ کو اس راگ پر بہت رقت ہوئی دونوں ہاتھ ایک دوسرے پر مارتے تھے قوالوں کی طرف جاتے تھے اور واپس آتے تھے چند بار ایسا ہی کیا پھر آنکھیں شمال کی طرف اٹھا کر تحیر کی حالت میں کھڑے ہو گئے چند منٹ ہی گذرنے پائے تھے کہ بیہوش ہو کر گر پڑے ظہر تک یہی کیفیت رہی۔ جب موذن نے اذان دی تو جسم مبارک میں حرکت ہوئی مولوی محمود سے پوچھا کہ کوئی کلمہ خلاف شرع تو زبان سے نہیں نکلا انہوں نے جب نہیں میں جواب دیا تو فرمایا۔ الحمد للہ!

حضرت پیر قلندر شاہ علیہ الرحمۃ کے صاحبزادہ پیر غلام محی الدین شاہ صاحب مرحوم کے پاس ایک قوال بنام کوڈا ملازم تھا وہ ایکدن طنبورہ لئے ہوئے حضرت قلندر شاہ صاحب کے حجرہ میں جا بیٹھا آپ اسوقت قبلہ رُو دو زانو بیٹھے ہوئے تھے جب اُسنے سازہ بجانا شروع کیا تو آپنے اسی ہیئت میں کوڈا قوال کیطرف رُخ پھیر لیا۔ کلانوت نے امیر خسرو کا یہ کلام خوش الحانی سے پڑھنا شروع کیا ؎

در فراقت جوگی دلیہ گشتہ کنم من دلیس بدلیہ

کن وچہ مُندراں گلو چہ کبیہ ساجن بھکیا پایؤ رے

قوال مذکور کا بیان ہے کہ حضرت قلندر شاہ علیہ الرحمۃ پر حالت وجد طاری ہو گئی۔ آپ بلا مبالغہ اُسی طرح دو زانو بیٹھے زمین سے گز بھر اُونچے جاتے تھے اور پھر اپنی جگہ پر آجاتے تھے جب مَیں چپ ہو گیا تو آپ بھی عالم محویت میں آگئے مجھے ایک پوشاک اور پانچ روپے عطا فرمائے میں نے عرض کیا حضرت پھر بھی حاضر ہوا کروں۔ آپنے فرمایا نہیں۔ کیونکہ اگر میں نے مجالس سماع جاری کردیں تو تمام لوگ تقلید شروع کر دینگے۔ اور ہر شخص چونکہ اس کا اہل نہیں ہے۔ اس لئے یہ فعل ان کے لئے جائز نہیں ہے۔[۲]

حضرت پیر سید روشن صاحب[۳] ساکن پنج گرائیں ضلع سیالکوٹ نے جو عشق الٰہی اور محبت رسولؐ میں جذب کامل رکھتے تھے اپنے انتقال سے دو گھنٹے پیشتر ایک نعت خواں کو بلایا اور ارشاد کیا کہ کچھ پڑھو نعت خواں نے جب پہلا ہی شعر پڑھا ؎ جیا ترسدا اک دیدار نوں ربا میل نبی مختار نوں

یعنے دیدار کیلئے دل ترس رہا ہے۔ بار الٰہا اب تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرا سامعین کو اس پر بڑی رقت ہوئی۔ پیر صاحب کی یہ حالت تھی کہ مست و بیخود ہو ہو کر ذکر الٰہی کرتے اور درود شریف پڑھتے تھے ؎

---

[۱] آپکی ولادت باسعادت ۱۱۸۵ھ میں بمقام لاہور ہوئی آپکا سلسلہ نسب ساتویں واسطوں سے حضرت عبد الجلیل چوہڑ شاہ بندگی تک پہنچتا ہے آپ کے والد پیر کرم شاہ المشہور سیت شاہ (مزار در شاہجہانپور) سکھوں کی شورش سے تنگ آکر ۱۱۹۶ھ میں آپکو لکھنؤ لیگئے۔ مگر ایک سال کے بعد عزیزان پنجاب کی محبت نے مراجعت پر مجبور کردیا حضرت قلندر شاہ شاہجہانپور بانس بریلی۔ رودولی۔ الہ آباد۔ بنارس۔ لکھنؤ وغیرہ مقامات سے ہو کر ۱۲۱۱ھ میں لاہور آگئے ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸ فروری ۱۸۳۳ء میں آپکا انتقال ہو گیا۔ مزار آپکا رتہ پیراں میں واقعہ ہے آپ شاعر اور کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے ؎ از انوار قلندری صفحہ ۲۳ [۲] حضرت پیر روشن شاہ صاحب قبلہ عالم سید حسن شاہ صاحب آف لوہار شریف کے ممتاز مریدوں میں سے تھے اگست ۱۹۱۲ء کے آخری ہفتہ میں آپنے اپنے وطن موضع پنج گرائیں ضلع سیالکوٹ میں انتقال فرمایا۔